ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں

قدیم دہلی کالج کا کردار

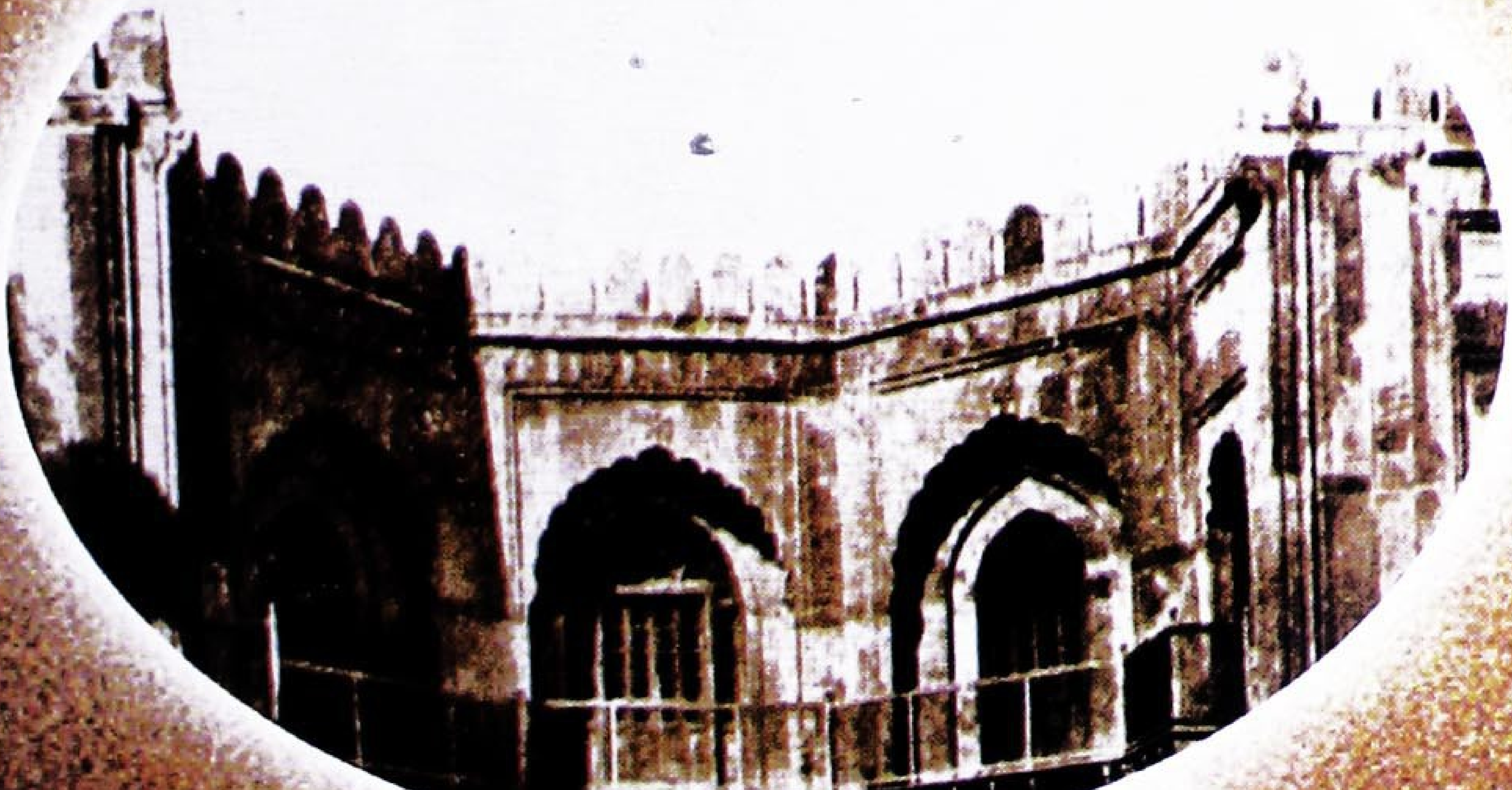

ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ
میں
قدیم دہلی کالج کا کردار

ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی

SHAHID PUBLICATIONS
شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی۔۲

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں ©

134708

کتاب کا نام	:	ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں قدیم دہلی کالج کا کردار
مصنف/ ناشر	:	ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی
کتابت	:	محمد عیاض قاسمی دیوبند،فون:09359210107
صفحات	:	۲۷۲
قیمت	:	۳۰۰روپے
طبع اول	:	۲۰۰۵ء
تعداد	:	۵۰۰
بااہتمام	:	ڈاکٹر شاہد حسین،نئی دہلی

Hindustani Nashat-e-Sania Mein Qadeem Delhi College ka Kirdar

Writer :

Dr. Shams-ul-Huda Daryabadi
Department of Urdu
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad-32 (A.P.)

تقسیم کار

(۱) شعبۂ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد

(۲) دارالاشاعت،دیوبند

(۳) شاہد پبلکیشنز،۲۲۵۳ ریشم اسٹریٹ،کوچہ چیلان
دریاگنج،نئی دہلی،۱۱۰۰۰۲ فون: ۵۵۳۹۴۰۴۴

Marfat.com

تہدیہ

میں اپنی علمی پیش رفت اپنے والد گرامی

حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی (استاذ دارالعلوم دیوبند)

اور

والدۂ محترمہ کی خدمت میں نذر کرتے ہوئے

روحانی مسرتوں سے ہمکنار ہوں، جن کی تربیت نے

مجھے اس قابل بنایا

ہے وہی دل جس میں ان کی محبت کا مقام
ہے وہی سینہ، جس میں ہے ان کی الفت کا مکان

شمس الہدیٰ

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	——— پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی	17
حرفے چند	——— ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریا آبادی	21
باب اول		27
نشاۃ ثانیہ: تعریف، تصور اور تاریخ		29
اٹلی میں نشاۃ ثانیہ		31
یورپ میں نشاۃ ثانیہ		35
ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ		39
راجہ رام موہن رائے اور برہمو سماج		41
تحریک ولی اللّٰہی		45
باب دوم		53
قدیم دہلی کالج: نوعیت اور مقاصد		55
قدیم دہلی کالج سے قبل چند مشن اسکول		55
فورٹ ولیم کالج		55
ثقافتی یلغار اور مغربی طرز زندگی کا خیر مقدم		56

Marfat.com

مشرقی علوم پر ضرب اور درس گاہوں کی حالتِ زار	59
مدرسہ کلکتہ اور بنارس سنسکرت کالج	60
مغربی تعلیم کی جانب پیش رفت اور کمپنی کا تاریخ ساز فیصلہ	62
قدیم دہلی کالج کا قیام	65
مدرسہ غازی الدین حیدر	67
قدیم دہلی کالج کی ابتداء	71
اردو زبان بحیثیت ذریعہ تعلیم	72
شعبہ انگریزی کا قیام	73
۱۸۵۷ء اور قدیم دہلی کالج	74
قدیم دہلی کالج کا لاہور کالج میں انضمام	75
قدیم دہلی کالج کی خصوصیات	77
باب سوم	83
قدیم دہلی کالج سے وابستہ افراد اور ان کی خدمات	85
اردو زبان میں تعلیم کا کامیاب تجربہ	85
شخصیت سازی	86
کالج سے وابستہ افراد اور ان کی انفرادیت	87
مسٹر جوزف ہنری ٹیلر	88
مسٹر فلیکس بترو	89
ڈاکٹر الواس اشپرنگر	90
نصاب کی اصلاح	91
مولوی مملوک علی نانوتویؒ	93

Marfat.com

امام بخش صہبائی	95
ماسٹر رام چندر	96
جدید تنقید کا آغاز	97
مراسلہ نگاری میں سادگی اور مقصدیت	99
ماسٹر رام چندر اور اردو زبان	100
رام چندر اور اردو صحافت	102
فوائدالناظرین	103
خیر خواہِ ہند (محبّ ہند)	104
تصنیفات وتراجم	105
مولوی سبحان بخش	107
مولوی ضیاءالدین	108
منشی ذکاءاللہ	109
ریاضی سے شغف اور ایک عجیب واقعہ	109
ملازمت	110
تصانیف	110
ماسٹر پیارے لال	113
مرزا غالب سے تعلق	114
تصانیف	114
مولوی نذیر احمد	114
ملازمت	114
اردو کے پہلے ناول نگار	115
مولوی محمد حسین آزاد	117

Marfat.com

تصنیفات وتالیفات	117
انجمن پنجاب لاہور کا قیام	118
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	120
قدیم دہلی کالج میں داخلہ	120
مفتی صدرالدین آزردہ سے تلمذ	121
۱۸۵۷ء: غدر، فوجی بغاوت یا جنگ آزادی کی پہلی کوشش	123
شاملی میں محاذ آرائی	128
دارالعلوم دیو بند کا قیام	130
مولانا قاسم نانوتویؒ اور جدید تعلیم	132
سرسید مرحوم اور مولانا قاسم نانوتویؒ	134
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	138
مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	139
مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیوبندی	140
مولانا مظہر نانوتویؒ	140
مولانا احسن نانوتوی	140
مولانا منیر نانوتوی	141
مولانا یعقوب نانوتویؒ	141
پنڈت موتی لال بسمل	141
تصانیف	142
منشی شیونرائن	142
رائے حکم چند	143
مولوی کریم الدین پانی پتی	144

Marfat.com

تذکرہ نگاری	145
پنڈت من پھول	146
لالہ مکند لال	147
رائے صاحب کیدار ناتھ	147
پنڈت دھرم نرائن	148
کیا سرسید مرحوم قدیم دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے؟	148
دیگر متفرق حضرات	152
باب چہارم	163
دہلی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی	165
ادب	172
طبقات الشعرائے ہند	172
تذکرہ شعرائے عرب	172
تذکرۃ الکاملین	173
تذکرہ سکندر اعظم	174
خطِ تقدیر	174
عجائب روزگار	175
حدائق البلاغت	176
رسالہ قواعد اردو	176
تسہیل القواعد	177
تاریخ	178
تاریخ ابوالفدا	178

Marfat.com

تاریخ ہندوستان	179
تاریخ الحکماء	179
تاریخ ہند	180
تاریخ کشمیر	181
تاریخ انگلستان	181
تاریخ روم	182
تاریخ ایران	182
تواریخ یونان	183
تواریخ بری اور بحری	183
قانون	184
خلاصہ قوانین فوج داری	184
اصول قوانین ممالک مختلف	185
اصول علم انتظام مدن	185
اصول پولیٹکل اکونومی	186
اصول گورنمنٹ کے	186
اصول قواعد اخلاق اور قوانین	186
اصول سرکاری محاصل کے	187
اصول دھرم شاستر	187
قانون مال کا	187
ریاضی	188
اصول علم مثلث وتراش ہائے مخروطی وعلم ہندسہ بالجبر	188
اصول جبر ومقابلہ	189

Marfat.com

اصول علم حساب، جزئیات وکلیات	189
سریع الفہم	190
رسالہ مسائل کلیات وجزئیات	191
لیلاوتی	192
علم مثلث	192
اصول علم حساب	193
تحریر اقلیدس	193
علم طبیعیات	194
رسالۂ علم طبعی	195
رسالۂ مقناطیس	195
رسالہ پیمائش زمین کا	195
رسالہ اصول کلوں کے باب میں	195
رسالہ علم ادات	196
کیمیا	197
اصول قواعد مایعات	197
طب	198
رسالہ بیچ بیان اعمال جراحی کے	198
رسالہ علم طب	198
جغرافیہ	199
جغرافیہ ہند	199
مذہبیات	200
صحیح بخاری	200

Marfat.com

سننِ ترمذی 200
رسالہ در اثباتِ وجود باری 201
اعجاز القرآن 201
رسالہ تحریف قرآن 201
اعتراض قرآن 202
مسیح الدجال 202
اصول علم منطق 203
باب پنجم 207
ہندوستانی مذہبی روایات اور قدیم دہلی کالج 209
مذہبی رواداری 209
قدیم دہلی کالج سے قبل مدارس اور مذہبی تعلیم 211
قدیم دہلی کالج کا سہ رخی مذہبی زاویہ 215
پہلا زاویہ 215
دوسرا زاویہ 222
تیسرا زاویہ 224
اختتامیہ 231
قدیم دہلی کالج کے اثرات اور نتائج 233
قدیم دہلی کالج کے طلباء کا مختلف ملازمتوں میں تقرر 237
قدیم دہلی کالج اور دار العلوم دیوبند 240
قدیم دہلی کالج اور اردو نثر 241
قدیم دہلی کالج اور سرسید 242

Marfat.com

قدیم دہلی کا زوال اور نشاۃ ثانیہ کی لہر	243
سائنٹفک سوسائٹی	243
انسٹی ٹیوٹ گزٹ	245
مدرسۃ العلوم علی گڑھ	246
انجمن اشاعت مطلب مفیدہ پنجاب	249
کتابیات	257

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

تاریخ کا ہر زمانہ ماضی سے اپنے رشتوں کی تلاش و تحقیق کی بھی دعوت دیتا ہے اور مستقبل کے امکانات کو بھی عیاں کرتا ہے۔ وقت کا فاصلہ اور اس کے گزرنے کی رفتار سے ایسی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوتی ہیں کہ ماضی حال اور مستقبل کے رشتوں کو سلجھانا اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہر سوال کے مختلف اور متعدد جواب آتے ہیں۔ ہر مسئلے کو نہ جانے کتنے زاویوں سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ ہمارے ملک کی تاریخ کو سمجھنے اور مرتب کرنے میں بھی اسی بنا پر بیشمار دقتیں ہیں۔

انیسویں صدی ہم سے بہت دور نہیں، خصوصاً اس سبب سے بھی کہ اس زمانے کے حالات اور واقعات کی بیشتر دستاویزی شہادتیں اب تک موجود ہیں۔ اسی دور میں پرنٹنگ پریس کے بڑے پیمانے پر استعمال کی بدولت دستاویزات کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی سہولت بھی پیدا ہوئی اور اس عہد کی تاریخ کے اہم ماخذ تک ہماری رسائی ہوگئی۔

ان سب باتوں کے باوجود انیسویں صدی کی تاریخ کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کا تفصیلی مطالعہ اور تجزیہ اس گہرائی سے نہیں کیا جا سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ ان ہی پہلوؤں میں ایک یہ ہے کہ اس زمانے میں وہ کون سے عناصر تھے جو تبدیلی کا وسیلہ ثابت ہوئے اور جنھوں نے آنے والی زندگی کی بنیاد ڈالنے میں مدد کی ان ہی میں بعض ادارے بھی ظہور میں آئے جو نئے رجحانات و تحریکات کی علامت بن گئے۔ انھوں نے ایسے افراد کی تربیت کی جن کے افکار کو آنے والے زمانے میں مقبولیت

Marfat.com

حاصل ہوئی اوران کے اثر سے ملک کے مختلف علاقوں میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ہر نیا نظام اپنے اقدار کی بقااور ترویج کے لئے اپنے ساتھ ایک تعلیم کا نظام بھی لے کر آتا ہے جس کا مقصد ہوتا ہے نئی نسلوں میں ایسے ذہن وکردار کی ساخت کرنا جو اس نئے نظام کو قوت واستحکام عطا کر سکے۔ انگریز حکمرانوں نے ہندوستان میں اپنے استحکام کی غرض سے ہمارے ملک کے صدیوں پرانے نظام تعلیم کو بدلنے کی کوشش میں کچھ پرانے تعلیمی اداروں کی سرپرستی کی اور کچھ نئے اداروں کو قائم کیا ہمارے سیاسی اور سماجی نظام کے زوال کے ساتھ ہمارا تعلیمی نظام بھی برہم ہو چکا تھا چنانچہ نئی حکومت کے ان اقدامات کا استقبال ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ مدرسۂ غازی الدین حیدر، دہلی کالج بن گیا جسے ہم آج قدیم دہلی کالج کے نام سے جانتے ہیں۔ حکومت کوئی بھی ہو، وہ اپنے استحکام کے تمام اقدامات کردینے کے باوجود اتنی قدرت نہیں رکھتی کہ ان کے سارے اثرات پر قابو رکھ سکے۔ چنانچہ ہر سماج اپنے باغیوں کو بھی خود ہی جنم دیتا ہے اور عموماً اس نظام کی بیخ کنی میں اس کے تعلیمی اداروں کے فارغ نوجوانوں کا بہت اہم حصہ ہوتا ہے چنانچہ قدیم دہلی کالج کے ذریعے ''اصلاح،، کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ علی گڑھ میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ کر ایسے عناصر کو پیدا کرنے لگا جنھوں نے اسکے انہدام کی سرگرمیوں کو تیز تر کیا۔

قدیم دہلی کالج اور اس سے متعلق افراد پر حال میں ہندوستان اور بیرونی ممالک میں بہت اہم تحقیقی کام ہوا ہے جس کی بدولت بہت سی نئی باتیں سامنے آئی ہیں پھر بھی بہت کچھ ابھی ہونا باقی ہے کالج کے اساتذہ وطلبہ اور اس حلقے کے لوگوں کے انفرادی کاموں کا جائزہ، کالج کے اساتذہ کے شایع کئے ہوئے اخباروں اوران کی کتابوں کے مشمولات کا تنقیدی اور تاریخی اور سماجیاتی مطالعہ، کالج سے فارغ ہونے والے طلبہ کے طرز فکر پر اثرات چند ایسے پہلو ہیں جو ابھی مزید تحقیق کا تقاضا کرتے ہیں خود 'نشاۃ ثانیہ، کی اصطلاح کے اطلاق کے بارے میں اختلافات طے

Marfat.com

نہیں ہوئے انیسویں صدی میں ہندوستان کی صورت حال اور Rennaissance کے زمانے کی صورت حال اور اس کے تقاضوں کا فرق اور دونوں خطوں میں ابھرنے والی سماجی اور مذہبی تحقیقات اور ان کے اثرات پر غور کرنے کی بھی مزید ضرورت ہے ان سب باتوں کی بنا پر ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی کے اس تحقیقی مقالے کی اہمیت ہے۔

اس مقالے میں مصنف نے قدیم دہلی کالج اس دور کا فکری ماحول اور آنے والے زمانے کی فکری زندگی کی نشو ونما میں اس کے رول کا بڑی محنت اور لیاقت کے ساتھ جائزہ لیا ہے انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مغربی اثرات کی یلغار کے ساتھ ہی ساتھ دہلی کالج کے طلبہ کا ہی ایک طبقہ وہ بھی تھا جس نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد اس مقصد سے ڈالی کہ جدید افکار کے ساتھ مشرقی اقدار کا تحفظ بھی کیا جائے اور نو آبادیاتی نظام سے تصادم بھی جاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں قسم کے لوگ الگ الگ انتہاؤں تک پہنچ گئے مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی کا یہ مقالہ اشاعت کی منزل تک پہنچ گیا ہے اور امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کی وہ پذیرائی ہوگی جس کا یہ مستحق ہے۔

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی

۲۳ر جولائی ۲۰۰۴ء

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ چند

انیسویں صدی ایک ایسی صدی ہے جب ہندوستان میں معاشرتی برائیاں اور اقتصادی بدحالی اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھی۔ سیاسی لامرکزیت کے باعث انتشار اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اس کے برعکس یورپ کی تعلیمی، عسکری، سائنسی اور صنعتی میدان میں ترقی اور برتری نے ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمانے میں بڑی مدد کی اور یہاں کے عوام کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ لوگوں کے اذہان پر جمود طاری ہو گیا نتیجتاً تمام مذہب وملت اور مختلف قوموں کے عمائدین نے مذہب، معاشرہ اور تعلیم کے میدان میں اصلاح کا قدم اٹھایا ایک طرح سے یہ صدی قدیم سے جدید کی جانب پیش رفت اور نشاۃ ثانیہ کی صدی تھی۔ ایسے ہی وقت میں دہلی کالج کا قیام عمل میں آیا، جس سے وابستہ پڑھنے اور پڑھانے والے افراد نے مختلف علوم وفنون ادب، فلسفہ، سائنس، مذہب، معاشرت اور معیشت کے میدان میں بیش بہا تصانیف وتراجم کی خدمات انجام دیں اور یہی وہ ادارہ ہے جسے دہلی کے زوال پذیر معاشرہ میں امید کی شعاع کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ تعلیمی ادارہ مسٹر ٹیلر کی سفارش پر ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین خاں کی عمارت میں قائم ہوا اور ٹیلر ہی اس کے پہلے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ قدیم دہلی کالج انگریزوں کی اس تعلیمی پالیسی کی بدولت وجود میں آیا جس پر مشرقی علوم کے حامی عمل پیرا تھے جو اس وقت جنرل تعلیمی کمیٹی پر چھائے ہوئے تھے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ 'میکالے' کی سفارشات (۱۸۳۵ء) کو نافذ کرنے کے

Marfat.com

باوجود یہ واحد ادارہ تھا جہاں آخر وقت (۱۸۷۷ء) تک ذریعہ تعلیم انگریزی کے بجائے اردو تھا۔ ۱۸۴۴ء میں قدیم دہلی کالج کے مشرقی اور مغربی شعبوں کو ضم کردیا گیا جس کے نتیجہ میں مشرق و مغرب کا سنگم ہوا اور دو نظریہ رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے قریب آئے۔ یہی وہ موڑ تھا جب خیالات میں تبدیلی اور اصلاحِ ذوق میں دلچسپی رکھنے والے افراد پیدا ہوئے۔

قدیم دہلی کالج سے قبل اردو نثر کا بیشتر حصہ داستانوں اور قصہ کہانیوں بلکہ کچھ نہ کچھ مذہبی موضوعات پر تھا مگر دہلی کالج کے حلقے نے اردو میں علمی مضامین کے ایک بیش بہا ذخیرے کا اضافہ کیا۔ یہی مضامین شمالی ہند میں ذہنی بیداری کے آغاز کا سبب بنے۔ اس کے علاوہ اس نے اردو زبان اور اردو داں طبقہ کو یورپی ادب و فلسفے سے روشناس کرایا۔ لہٰذا فکری اعتبار سے عالم گیر تہذیبی وحدت کا جز بن گیا۔ مزید براں سیاسی اعتبار سے لبرل ازم (Liberalism) اور سماجی اعتبار سے افادیت پسندی (Utilitarianism) کا نقطۂ نظر قدیم دہلی کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے سامنے رہا ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد انفرادی معاشی فلاح اور ساتھ ہی ساتھ سماجی اصلاح ہو گیا جبکہ ادب افراد کے ذہنوں کو متاثر کر کے انہیں کسی مفید کام پر اکسانے کا وسیلہ بن گیا۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ قدیم دہلی کالج پر سماجی اعتبار سے افادیت پسندی کا اثر غالب رہا یہی وجہ ہے کہ اس نے ادب کے تمام اصناف کے رخ کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا، چاہے وہ سرسید کی تحریروں میں مقصدیت کا عنصر ہو یا کہ حالی کی اصلاح پسند شاعری اور آزاد کی تذکرہ نویسی و تنقیدی شعور ہو، چاہے نذیر احمد کا فن ناول نگاری یا راشد الخیری کا ادب نسواں ہو، چاہے وہ ذکاء اللہ کی تاریخ نگاری یا رام چندر کی صحافت ہو ان تمام کا تعلق قدیم دہلی کالج کے اثرات سے ہے۔ چنانچہ طبعیات، کیمیا، ہیئت، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، سیاست، فلسفہ واخلاق، لغت سازی، قواعد، تذکرہ و ترجمہ، صحافت، ناول نگاری، ادب نسواں، مقالہ نگاری اور مکتوب نویسی میں قدیم دہلی کالج سے متاثر سے ممتاز

134708

Marfat.com

نے جو کام انجام دیئے ہیں وہ ہماری تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ سائنس کے میدان میں قدیم دہلی کالج کی خدمات بہت نمایاں ہیں، جن میں ماسٹر رام چندر، منشی ذکاءاللہ، ڈاکٹر اشپرنگر اور مسٹر ٹیلر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قدیم دہلی کالج کی سب سے زیادہ شہرت اس کی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے ذریعہ ہوئی اور یہ حقیقت ہے کہ سوسائٹی اور اس سے متعلق افراد نے وہ لاثانی کارنامہ انجام دیا ہے کہ جسے زبان وادب کی تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی، ہندوستان میں تراجم کے سلسلے کی یہ اولین سوسائٹی تھی اس نے اردو زبان وادب کو مختلف علوم وفنون کی کتابوں سے مالا مال کر دیا۔

دراصل یہ میرا تحقیقی مقالہ ہے جس پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی نے ۲۰۰۱ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی اب یہ کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ اشاعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے باب اول میں نشاۃ ثانیہ کی تعریف اور تاریخ سے بحث کی گئی ہے۔ اٹلی اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا جائزہ لیتے ہوئے ہندوستانی ماحول کے تناظر میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریک کو پیش نظر رکھتے ہوئے قدیم دہلی کالج کے ذریعہ جو علمی وادبی اور لسانی انقلاب رونما ہوا، اس کا متعدد جہات سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں قدیم دہلی کالج سے پہلے تعلیمی حالات اور مغربی ثقافت وطرز زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے قدیم دہلی کالج کی تاریخ پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔

تیسرے باب میں قدیم دہلی کالج سے وابستہ افراد کی علمی وادبی اور تدریسی خدمات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ ان کی انفرادیت کو بھی منظر عام پر لایا گیا ہے اس ضمن میں کم وبیش تیس علمی وادبی شخصیات کا تعارف اور ان کی خدمات بھی شامل ہیں۔

چوتھے باب میں دہلی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے جن کتابوں کے اردو میں ترجمے کرائے نیز طبع زاد تصنیفات شائع کرائیں، ان کا مکمل تعارف پیش کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں قدیم دہلی کالج کی ان خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے

Marfat.com

مذہبی رواداری کو پروانہ راہداری ملا اور ملک پر اس کے اچھے اثرات رونما ہوئے، ان خصوصیات کا تین زاویوں سے جائزہ لیا گیا ہے۔

آخر میں اختتامیہ کے عنوان سے ان مباحث کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے جو پوری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مصنف اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ اہل علم اور قارئین پر ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں میرے بہت سارے محسنوں اور مشفقوں نے تعاون کیا ان میں سب سے اہم نام پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا ہے جنھوں نے نہ صرف اپنے مصروف اوقات میں سے میری رہنمائی کے لئے مسلسل وقت دیا بلکہ پیش لفظ بھی لکھ کر اس کتاب کی افادیت کو دوچند کر دیا۔ ساتھ ہی پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی اور ڈاکٹر اسلم جمشید پوری کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کتاب کو پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اسی کے ساتھ ڈاکٹر مظہر مہدی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی تحریک پر میں قدیم دہلی کالج پر کام کرنے کی ہمت کر سکا۔ مواد کی فراہمی کے لئے میں نے بے شمار کتب خانوں کی نہ صرف خاک چھانی ہے بلکہ کتابوں پر پڑی ہوئی زمانے کی گرد کو ہٹا کر اس میں جھانکنے کی بھی کوشش کی ہے۔ ان تمام کتب خانوں خصوصاً خدا بخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، سالار جنگ میوزیم حیدر آباد، دہلی کی تمام یونیورسٹیوں کی لائبریریاں اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے عملہ کے علاوہ مولانا عبدالحفیظ رحمانی ریسرچ اسوسی ایٹ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کا میں بے انتہا شکر گزار ہوں کہ ان تمام لوگوں نے میری مشکلوں کو آسان کر دیا۔

میں اپنے والدین، تمام بھائیوں اور اکلوتی بہن، یہ لوگ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بھول سکتا اور نہ ہی ان کے احسانات کو فراموش کر سکتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھے اور چلتے چلتے میں اپنی رفیقہ حیات انجم آرا، کہ جس نے ہر حال میں رفاقت کا حق ادا کرنے کی قسم کھا رکھی ہے، کا ذکر کیوں

Marfat.com

نہ کروں جب میں اس سے کہتا ہوں ۔

مرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں

وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غم کا آسماں ہے

تو وہ مسکرا کر میرے ننھے بچوں سلمان، مریم، طوبیٰ اور سعد کے بہتر مستقبل کی تعمیر میں منہمک ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ سخت حالات میں اس نے میرے اکھڑتے قدم کو تھام تھام لیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ میرے نام کے ساتھ جو لاحقہ ہے وہ اتر پردیش کے ضلع بستی کے دریاباد کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ کتاب اشاعت کے لئے پریس میں جانے ہی والی تھی کہ میں چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد آ گیا۔ یونیورسٹی کے تمام عملہ سے جو تعاون اور پیار و محبت ملا اس نے اجنبیت اور غریب الوطن ہونے کے احساس کو دور کر دیا خصوصی طور پر وائس چانسلر جناب پروفیسر اے ایم پٹھان، رجسٹرار جناب فاروق احمد، کنٹرولر آف اگزامس پروفیسر وہاب قیصر، اپنے شعبہ کے صدر پروفیسر خالد سعید، استاد محترمہ ڈاکٹر مسرت جہاں، شعبہ ماس کمیونی کیشن کے صدر پروفیسر اسد نظام اور اسی شعبہ کے استاد جناب آفتاب عالم بیگ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور ہاں! ڈاکٹر شاہد حسین کو اس موقعہ پر بھول جانا بڑی زیادتی ہوگی کیونکہ اس کتاب کی اشاعت کے تمام مراحل کو انھوں نے اپنے ذمہ لے لیا، لہٰذا کتاب میں جو بھی کشش نظر آئے گی اس کا کریڈٹ یقیناً انھیں کو ملنا چاہیے۔ میں ایک بار پھر ڈاکٹر شاہد حسین کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے کام کو آسان کر دیا۔ میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا اب درمیان سے ہٹنا چاہتا ہوں پڑھنے کے بعد اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور نشاندہی کیجئے تاکہ آئندہ اسے درست کر لیا جائے۔

۱۳؍ دسمبر ۲۰۰۴ء

شمس الہدیٰ دریابادی

حیدرآباد

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

Marfat.com

Marfat.com

نشاۃ ثانیہ

تعریف، تصور اور تاریخ

نشاۃ ثانیہ کا عمل ایک بیداری کا عمل ہے جو ظاہر ہے جمود کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے اور یہ جمود اور تعطل زندگی کے ہر شعبہ پر مسلط رہتا ہے جو کہ آسانی سے اور اچانک نہیں ٹوٹتا بلکہ کسی بیرونی قوت اور داخلی احساسات سے توڑا جاتا ہے، لیکن توڑنے والی کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ (جس پر جمود اور تاریکی طاری ہے) بیدار ہو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جامد ہی رہے، لیکن یہ قانون فطرت ہے کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے چنانچہ جمود کے بعد حرکت، تاریکی کے بعد روشنی، خواب غفلت کے بعد بیداری آنا یقینی ہے البتہ اس کے عوامل واسباب پیدا ہوجاتے ہیں جو کسی بڑے سانحہ اور حادثہ کے بعد سامنے آتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کا لفظ سنتے ہی عموماً ہمارا ذہن یورپ اور اس کی نشاۃ ثانیہ کی طرف جاتا ہے۔ یورپ میں بھی اٹلی ہی دراصل نشاۃ ثانیہ کا محور و مرکز رہا ہے۔ جس وقت ایشیا تمام تر روحانی و مادی ترقی کی راہیں طے کر چکا تھا اس وقت جیسا کہ معلوم ہے یورپ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن ۱۴۵۳ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے ذریعہ سقوط قسطنطنیہ کے بعد یورپ خواب غفلت سے بیدار ہوا، انہیں اس بات پر یقین کرنا مشکل ہورہا تھا کہ قسطنطنیہ پر کوئی بیرونی طاقت قبضہ کر کے بازنطینی سلطنت کا خاتمہ کیسے کرسکتی ہے جس کا قلعہ ناقابل تسخیر تھا۔ یہی نہیں عثمانی ترکوں نے بڑی جلدی تمام مشرقی یورپ پر قبضہ کرلیا اور بحر متوسط ان کی ایک جھیل بن کر رہ گیا، چنانچہ یوروپی لوگ اپنے آپ کو

Marfat.com

گھِرا ہوا محسوس کر کے نئی نئی راہوں کی تلاش و جستجو میں نکل پڑے، واسکوڈی گاما کیپ آف ٹاؤن ہوتے ہوئے کالی کٹ آیا اور کولمبس امریکہ پہنچ گیا۔ روس نے جن حالات کے پیش نظر ان عثمانی ترکوں کو اس کے آخری دور میں 'یورپ کا مرِد بیمار' کہا تھا بعینہٖ وہی کیفیت عثمانی ترکوں نے اس وقت یورپ پر طاری کر دی تھی، یہی وہ تاریخی واقعہ ہے جس نے یورپ کے اندر نشاۃ ثانیہ کی لہر دوڑا دی۔

اب یورپ کو اپنا وجود خطرہ میں پڑتا ہوا محسوس ہوا چنانچہ اس کربناک حالت میں یونان وروم کے قدیم کلاسیکی ادب میں پناہ لینے کی کوشش کی گئی، چھاپہ خانہ کی ایجاد نے مزید ان کا راستہ ہموار کر دیا اب اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں یونانی اور روم کے قدیم کلاسیکی ادب کو منظر عام پر لا گیا، جس نے معاشرہ کے سامنے نئے اقدار اور دلفریب محرکات پیش کئے، جغرافیائی تلاش و جستجو نے عیسائیت کی محدود دنیا کو وسیع تر بنا دیا۔ تجارت کے لئے نئی نئی منڈی نئے اصول اور راستوں کا تعین کیا گیا۔ لیکن یہ سبھی انقلابی تبدیلیاں اچانک وقوع پذیر نہیں ہوئیں؛ بلکہ ان کے پیچھے ایک لمبے عرصہ کی تاریخ منسلک ہے۔ سب سے پہلے عہد وسطہ کی دانش گاہوں نے ہی مشہور یونانی فلسفی ارسطو کے اصول منطق کی بنیاد پر عیسائی مذہب کی قابل اعتماد تعلیمات کو استدلال کے ذریعہ ثابت کر کے ذہنی بیداری کا راستہ دکھایا تھا۔ ساتھ ہی چودہویں صدی کے آغاز سے ہی مختلف دانشور، قدیم ادب کی بازیافت اور اشاعت کے کام میں لگے ہوئے تھے۔

اہل یورپ کا صدیوں سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ سلطنت روما کبھی زوال پذیر نہیں ہوگی، چنانچہ سقوط قسطنطنیہ نے لوگوں کے سامنے ایک سوالیہ نشان کھڑا کیا، پھر اسی کو بنیاد بنا کر کیتھولک چرچ کا مذاق اڑایا جانے لگا اسی نے انسان پرست طبقہ کو جنم دیا جنہوں نے مذہبی تعلیمات کے بجائے یونان وروم کے قدیم ادب کے مطالعہ میں اپنے آپ کو صرف کیا، لفظ انسان پرست لاطینی کے ہیومنیٹس (Humanitus)

Marfat.com

سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''برتر علم''، یہ لفظ ادب سے محبوبیت کی علامت ہے۔ ان کے نزدیک انسان کو مہذب بنانے کیلئے قدیم ادب کا علم زیادہ ضروری ہے۔ ان انسان پرست دانشوروں نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ قدیم کتابوں کی تلاش شروع کی اور کتابت کی غلطیوں کو دور کر کے انہیں دوبارہ قلمبند کیا شاہی اور حکمراں طبقہ سے تعلق رکھنے والے حوصلہ منداور علم دوست لوگوں نے ان دانشوروں اور فن کاروں کو بھرپور تعاون دیا، حوصلہ افزائی کی اور فن کو فروغ بخشا اکثر انہیں اپنا ذاتی مشیر اور اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا۔ ان انسان پرستوں کی بڑی تعداد اٹلی میں جمع ہونی شروع ہوئی[2]۔

اٹلی میں نشاۃ ثانیہ

چونکہ اٹلی ترکی سے سب سے زیادہ قریب تھا اور تہذیب روما کے باقیات بھی وہاں موجود تھے اور شہروں کی ترقی بھی اٹلی میں زیادہ ہوئی اس کی نشاۃ ثانیہ کا عمل پہلے اٹلی میں ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے فرد اور فکر کی آزادی کو زندگی میں اولیت کا درجہ دیا، اس عہد کا اصل امام عظیم شاعر دانتے (Dante) تھا جو ادیب کے علاوہ سائنسداں بھی تھا، اس نے اپنی مادری زبان اطالوی میں مشہور نظم Divine Comedy لکھی، لیکن روم کے قدیم ادب سے دلچسپی میں پیٹرارک (Petrarch)، دانتے سے بھی آگے بڑھا تھا۔ اس میدان میں 'فلورنس' نے خاص طور سے شہرت حاصل کی۔ 'دانتے پیٹرارک'، اور 'بوکاتچو'، کی وجہ سے یہ شہر پہلے سے ہی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ پندرہویں صدی کے نصف آخر میں فلورنس کا حکمراں میڈیچی خاندان کا شہزادہ 'لورینزو' تھا جو اپنی کامیاب سیاست، شعر وسخن سے دلچسپی اور ادب وفنون کی حفاظت اور اس کے فروغ کی وجہ سے 'عظیم'، کے لقب سے نوازا گیا تھا۔ اس عہد میں فلورنس میں شہرت یافتہ دانشوروں اور فن کاروں کا ایسا اجتماع ہوا کہ یہ شہر پورے یورپ کی علم

Marfat.com

ودانش کی راجدھانی کے طور پر پہنچانا جانے لگا۔ان دانشوروں اور فن کاروں میں 'میخائل اینجلو'، 'دوناتیلو'، 'فرافلپولپّی'، 'سینڈرو'باتچیلی'، 'میخیا ویلی'، 'فیشو پوشین'، 'سیوخادیلا'، روبینہ'، 'پیروژینو'، اور 'لیونارددواونچی'، وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے دور کے معاشرہ کو ایک خاص عظمت بخشی مختلف کمالات سے آراستہ ان فنکاروں نے علوم وفنون کے ہر میدان میں مساوی درجہ میں قابلیت اور لیاقت حاصل کی تھی۔ مثال کے طور پر 'میخائل انجیلو، لیونارددواونچی اور 'البرٹی'، کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں مصوری اور مجسمہ سازی کا ماہر 'میخائل انجیلو، ایک کامیاب انجینئر اورزبان وادب کا فاضل شخص تھا۔ستر سال کی عمر میں لکھے گئے اس کے گیت دانتے کی یاددلاتے ہیں لیونارددواونچی اپنے وقت کا عجیب وغریب فن کار تھا۔وہ ایک ساتھ اعلی درجہ کا مصور ماہر دستکار، تعمیرات کا تجربہ کار انجینئر، مفکراور سائنس داں تھاوہ ہمیشہ اپنے نئے تجربات کے ذریعہ ہر چیز کی تہ میں داخل ہونے کی کوشش کیا کرتا تھا۔علم تشریح (Anotomy) سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھا اس نے ہوامیں اڑنے کی بھی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔اسی کی طرح البرٹی بھی گوناگوں کمالات کا حامل شخص تھا۔ وہ اپنے وقت کا سب سے بہترین کھلاڑی اور گھوڑسوار تو تھا ہی ساتھ ہی مصوری اور گرجا گھروں کی تعمیر اور شعروشاعری میں بھی یکتائے عصر تھا۔اس کے علاوہ سائنسی علوم پر بھی اس کو دسترس حاصل تھی[3] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد کے فن کار ہرمیدان اور ہرطرح کے علوم وفنون میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی کامیابی کا یہی راز ہے۔

اس عہد میں ادب کے میدان میں ایک نئی لہر چلی اب تک شہنشاہوں فوجی کمانڈورں اور اولوالعزم لوگوں کی تعریف وتوصیف ہی مضامین یا اشعار کا خاص موضوع ہوتا تھا،لیکن اب دانشوروں اورفن کاروں کی سوانح بھی لکھی اور پڑھی جانے لگی ۔ اس سے عام لوگوں کی نظر میں انسانی قدروں اور صفات کی قیمت بڑھی۔

Marfat.com

افلاطون، ارسطو، سسرو اور سنیکا کے متعلق مطالعہ نے بعد میں منطق، استدلال اور تنقید کو ابھار کر مذہبی جذبات اور عقائد کو گہری چوٹ پہنچائی جس کا تصفیہ آخر میں جا کر مذہبی اصلاح سے ہوا۔

اٹلی میں ادب کی طرح تعمیراتی ذوق بھی روم اور یونان کے قدیم اصولوں سے مستعار لے کر آہستہ رفتار سے جدید راستوں کا تعین کرنے لگیں۔ تعمیرات کے میدان میں عہد وسطیٰ میں 'گاتھی' طرز تعمیر کا رواج عام تھا لیکن قدامت پسندی سے سرشار اٹلی کے فن کاروں نے روم اور یونان کے قدیم باقیات اور تعمیرات سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا اس جدید راستہ کا پہلا مشہور ہدایت کار فلورنس کا فلیپو برون لیشی (Filippo Brunelleschi 1377-1447) تھا۔ جس نے روم کے عبادت گاہوں اور تھیٹروں کے باقیات کے مطالعہ کے بعد مروّج گاتھی طرز کو چھوڑ کر ستون اور محراب کے طرز کو اپنایا۔ روم میں چانسلر کا محل، فرینچ محل اور سینٹ پطرس کا گرجا گھر اس طرز تعمیر کا سب سے عمدہ نمونے ہیں۔

مجسمہ سازی میں ماہر فلورنس کا مشہور دستکار 'ڈوناتیلو، (Donatello 1386-1466) تھا جس نے قدرت کے حسین مناظر سے حوصلہ حاصل کیا اس نے بچوں اور ہم عصر مردوں کے مجسموں کو بنانے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد آنے والے مجسمہ سازں نے اس کی ہی نقل کرتے ہوئے عام زندگی سے سبق حاصل کر کے دست کاری کے معیار کو بلند کیا۔

ثقافتی بازیافت کے دور میں اٹلی میں تعمیرات اور دستکاری کی بنسبت فن مصوری نے زیادہ ترقی کی۔ نمونوں کے عدم موجودگی کے باعث اس فن پر قدیم یونانی یا روم کی چھاپ کم ہے۔ گرچہ اس فن کے میدان میں عہد وسطیٰ کی مذہبی روایات کی جگہ مروج حقیقت پسندی نے حاصل کر لیا تھا، لیکن مذہبی علامات کا رواج باقی رہا اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مصوری کو چرچ نے ہی سب سے زیادہ فروغ دیا اور اس کی حفاظت کی۔

Marfat.com

اس فن کو مذہبی رواج سے دور ہٹا کر زندگی کے قریب لانے اور حقیقت پسند بنانے کی اولین کوشش فلورنس کا باشندہ 'مزاشیو، (Masaccio 1401-28) نے کی 'فرافلپو لپی، (Fra Filippo Lippi) اور فراانجیلیکو (Fra Angelico) نے اس جدید حقیقت پسند طرز کی تصدیق کردی لیکن فن مصوری کے فروغ میں اٹلی کے پانچ فن کاروں کی اہم دین ہے۔ ان میں تاریخی اعتبار سے پہلا نام فلورنس کا پاتی چیلی (Botticelli) کا ہے ۔ اس نے حقیقت پسندی میں پراسراریت کے حلول کے ذریعہ اپنی تصویروں میں غیر معمولی نازکی، کشش اور دل کے تاروں کو چھونے والی منظر کشی کی ہے۔ دوسرے مصور 'لیونا ردوداونچی، (Leonardoda Vinci 1452-1519) کا فلورنس سے ہی تعلق تھا۔ مختلف صلاحیتوں کے مالک 'لیونارڈو، نے مصوری میں بھی کمال حاصل کیا اس کی سبھی تصویروں میں ملان کا 'آخری دستر خوان، اور پیرس کا 'مونالیسا، نام کی تصویریں سب سے عمدہ خیال کئے جاتے ہیں اسی نے حقیقت پسندی میں روایت پرستی کو بھی داخل کیا ہے۔

تیسرا فلورنس کا ہی باشندہ 'میخائل انجلو، (Michel Angelo 1475-1564) ہے جو کئی لحاظ سے سولہویں صدی عیسوی کا سب سے بہترین فن کار عجیب وغریب کمالات کا مالک تھا۔ اس نے بھی لیونا ردو کی طرح مصوری میں روایت پرستی کو اجاگر کیا ہے اس نے روم میں 'سستائن چیپل، (Sistaie Chappel) کی دیواروں پر بیس سال کی محنت شاقہ سے جو سیع وعریض تصویری سلسلہ تیار کیا اس میں 'آخری فیصلہ، نام کی تصویر میں خدا کے رحم وکرم والی صفات کی جھلک کم ہے قہار وجبار کی صفت زیادہ نمایاں ہے میخائل کی یہ تصویر دنیا کے تنہا تصویروں میں شاید سب سے زیادہ شہرت کی حامل ہے۔

اٹلی کا سب سے بڑا مصور 'رافل، (Raphael -1483- 1520) تھا اس کی تصویروں پر میخائل کے اثرات ہیں جس کے ساتھ اس نے روم میں کئی برسوں

Marfat.com

تک کام کیا تھا خوبصورتی اور جاذب نظر میں اس کی تصویریں لاثانی ہیں۔ پوپ کے قیام گاہ کی دیواروں پر بنائی گئی رافل کی تصویریں اس کے کمال فن کی غمازی کر رہی ہیں 'سسٹائن میڈونا'، اور 'میڈونا آف دی چیر' (Medona of the chair) اس کی خوبصورت ترین تصویریں ہیں۔

'ٹی شین' (Titian 1470-1576) نام کا ایک اور مصور تھا۔ اس کا تعلق وینس سے تھا۔ اس کی انفرادیت رنگوں کی خوبصورتی اور امتزاج میں پنہاں ہے۔ اس نے اپنے ہم عصر 'شہنشاہ چارلس پنجم'، اور 'پوپ پال سوئم'، کی خوبصورت تصویریں پیش کیں۔ اس کی تصویروں میں وینس کی شان وشوکت اور عیش وعشرت کی جھلک صاف طور پر دکھائی دیتی ہے۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ

گرچہ کلاسیکی علوم وادب کی بازیافت سب سے پہلے اٹلی میں ہوئی لیکن اس کے مبلغ انسان پرستوں نے مغربی یورپ کو اس نظریات سے الگ نہیں رکھا۔ نجی طور پر یا کالجوں میں اکثر عالموں نے 'جدید علم'، کا مطالعہ یا اشاعت جاری رکھا۔ مختلف مما لک میں کئی دانش گاہوں کا قیام ہوا، جنہیں بادشاہوں، شہزادوں اور تاجروں سے پورا تعاون اور اطمینان بخش معاشی امداد حاصل ہوئی۔ فرانس کے بادشاہ 'فرانس اول'، نے جدید علم کے فروغ کی خاطر فرانس کے کالج (College De France) کو قائم کیا۔ اسے ایک فرانسیسی دانشور 'ولیم بودے'، (Willeam Bude) سے جو لاطینی اور یونانی زبانوں کا مستند ادیب تھا' جدید علم' کی اشاعت میں تعاون ملا۔ دوسرے مما لک کے حکمرانوں نے بھی فرانس کا اتباع کیا عوام الناس میں بھی اس نظریہ کا اثر بڑھنے لگا لہٰذا اس' جدید علم'، نے لوگوں کے دلوں میں ایک طرح کی مذہبی رواداری کے جذبات کو بیدار کیا جس سے عیسائی مذہب سے اصولوں اور جدید

Marfat.com

علم کے مقابلہ میں انہیں کسی طرح کی مزاحمت نہیں معلوم ہوئی۔ چرچ نے جدید علم کی جوسر پرستی کی تھی اس سے یہ نظریہ اور پختہ و مضبوط ہی ہوتا گیا۔

سولہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں یورپ کے مختلف ممالک میں بڑی تیزی سے جدید علم کی اشاعت شروع ہوئی یورپ کے ہم عصر انسان دوست دانشوروں میں 'ڈیسی ڈیریس اراسمس، (Desiderius Erasmas (1467-1536 صف اول کا عہدہ دار ہے۔ یہ ہالینڈ کے راٹرڈم شہر کا باشندہ ہے لیکن اس نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ جرمنی، فرانس، اٹلی، سویئزرلینڈ اور انگلینڈ میں ہی گذارا تھا۔ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیت مختلف علوم میں مہارت، فکر کی گہرائی اور خوبصورت وعیاں کتابت کے لئے پورے یورپ میں دانشور (The Scholar of Europe) کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنے ہم عصر عموماً سبھی بڑے ادیبوں، دانشوروں، بادشاہوں اور شہنشاہوں اور پوپ کے ساتھ اس کی خط وکتابت اور دوستانہ تعلقات تھے۔ اس نے جہالت سے بھرے ہوئے غلط عقائد اور بہت سارے مروجہ طور طریقوں کا زبردست مضحکہ اڑایا ہے اور اپنی تصنیف 'بے وقوفی کی تعریف' (Praise of Folly) میں چرچ کے پادریوں اور مذہبی رہنماؤں پر طنز کیا ہے۔ اس نے کئی خوبصورت کتابوں کے علاوہ یونانی تفسیر کے ساتھ لاطینی میں انجیل کا معلوماتی ایڈیشن پیش کیا وہ اوروں کے ساتھ اپنا بھی مذاق اڑاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دانشور 'فلینڈرس، میں بنے تصویری پردوں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے دیکھنے پر ہی متاثر کن لگتے ہیں۔

اس عہد کے کچھ دوسرے انسان دوست دانشوروں میں جرمنی کے 'ریچلن، (Reuchlin) اور 'فلپ میلانکتھن، قابل ذکر ہیں۔ 'ریوکلن، یونانی زبان کا زبردست ادیب اور عبرانی کے فلسفہ اور قواعد کا ماہر تھا جبکہ میلانکتھن برٹین برگ کی یونیورسٹی میں یونانی زبان کا پروفیسر اور 'مارٹن لوتھر، کا گہرا دوست تھا۔

Marfat.com

انگلینڈ میں ’جان کالیٹ، اور ’ٹامس مور، کے نام قابل ذکر ہیں ٹامس مور نے افلاطون کی طرح اپنی مشہور کتاب ’یوٹوپیا، میں نمونہ کی حکومت اور معاشرہ کا بیان کیا ہے، ڈنمارک کا مشہور عالم ’ہیلگے سن‘ (Halgesen) ماہر لسانیات اور مورخ تھا۔

اس انسان دوستی کی لہر نے پورے مغربی اور وسط یورپ کو متاثر کیا، فرانسیسی، انگریزی اور اسپینی زبانیں قدیم ادب کے بہت زیادہ قرض دار ہیں جلد ہی فرانسیسی زبان خوبصورتی اور آرٹ میں لاطینی اور اطالوی زبانوں کا مقابلہ کرنے لگی۔ انگریزی کے عظیم شاعر ’چاسر‘ نے پیٹرارک اور لاطینی کے دوسرے بڑے فاضلوں کا اتباع کیا لیکن برطانیہ میں جدید علم کا اثر رفتہ رفتہ پڑا اور سولہویں وستر ہویں صدی میں برطانیہ کی ادبی ترقی نقطۂ عروج پر پہنچی۔ اس عہد کے دانشوروں میں ’ولیم شیکسپئر، اور ’جان ملٹن‘ کے نام سب سے مشہور ہیں۔ ثقافتی بازیافت کے آغاز کے دور میں تو جرمن ادب کی کوئی خاص ترقی نہ ہوئی، لیکن جب ’مارٹن لوتھر‘ نے انجیل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا تو بڑی تیزی کے ساتھ اس زبان کی ترقی ہوئی، اس عہد میں اسپین کا سب سے بڑا دانشور ’سروینٹیز، تھا جس کی کتاب ’ڈان کوئکزاٹ، نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

ادب کی طرح فنون لطیفہ کے میدان میں بھی یورپی ممالک نے اٹلی کی قیادت کو قبول کیا اور سیاست میں شکست خوردہ اٹلی فنون وادب میں یورپ کا فاتح بن گیا۔ اٹلی کے معماروں کا پورے یورپ پر فنی اعتبار سے قبضہ تھا۔ یورپ میں رائج فنی تعمیرات کی وسط عہد کی گاتھی طرز غیر مہذب ہونے کی علامت سمجھی جانے لگی فرانس کا بادشاہ ’فرانسس، اٹلی سے لوٹتے وقت وہاں کے کئی دست کاروں وفنکاروں کو اپنے ساتھ لایا جنہوں نے جدید طرز کی عمارتوں اور محلوں سے پیرس اور دیگر کئی شہروں کو سجا دیا۔ پیرس کے ’لوور محل، کا جو آجکل ’لوور میوزیم‘ کے نام سے مشہور ہے، اس عہد میں تعمیر ہوا۔ اسپین میں بھی ’فلپ دوئم، نے اس طرز کو سرپرستی دی اور ’اسکوریل‘ کے

Marfat.com

شاندار محل کی تعمیر میں اس کا استعمال ہوا۔ ہالینڈ اور جرمنی میں بھی اسی عہد میں اس جدید طرز کا استعمال شروع ہوا لیکن برطانیہ میں اس کا داخلہ سترہویں صدی میں ہی ہو سکا۔

تعمیرات کی بہ نسبت دست کاری کی ترقی یورپ میں زیادہ تیزی سے ہوئی فرانس کے بادشاہ 'فرانس' اور انگلینڈ کے بادشاہ 'ہنری ہفتم' نے اٹلی کے دستکاروں کو اپنے ممالک میں دعوت دی۔ اسپین میں 'ایزابیلا' اور 'فرڈی نینڈ' کی قبروں پر اس طرز کی نقاشی ہے۔ جرمنی بھی اس جدید دست کاری میں ان ممالک سے پیچھے نہیں رہا اس طرح سولہویں صدی میں تمام مغربی یورپ میں اٹلی کی جدید دست کاری کا وسیع تعارف ہو چکا تھا۔

فن مصوری کے میدان میں مغربی یورپ اٹلی کا قرض دار ہے۔ 'فرانس اوّل، اٹلی کے کئی مصوروں کو اپنے ساتھ فرانس لایا تھا۔ جنہوں نے فرانسیسی مصوروں کو جدید طرز کی تربیت دی۔ اٹلی کے مشہور مصور 'لیونارڈو داونچی، کو فرانس نے کئی سالوں تک سرپرستی دیکر پیرس میں رکھا جہاں اس عظیم فن کار نے فرانسیسیوں کو مصوری کی تربیت دی۔ اسپین کے بادشاہ 'فلپ دوئم' نے بھی اس جدید مصوری کو درباری پناہ دی اس کے دربار کا سب سے بڑا مصور 'ایل گریکو، (Elgreco) نام کا یونانی تھا جس نے بہت سی مذہبی تصویروں کو بنایا تھا۔ اسپین کا دوسرا مشہور مصور 'ویلس کلیز، تھا۔ پندرہویں صدی کے اواخر میں جرمن میں بھی بہت سارے مصور پیدا ہوئے جن میں 'لوکس، 'ڈیورر، اور 'ہالبین، وغیرہ کا مقام بہت اونچا ہے۔ ان کا موازنہ اٹلی کے بڑے مصوروں سے کیا جا سکتا ہے۔ سترہویں صدی میں ہالینڈ نے بھی اعلیٰ درجے کے مصور پیدا کئے یہاں کے دولت مند تاجروں نے مابعد الحیات تصویروں کو خصوصی فروغ دیا۔ یہاں کے مصوروں میں 'ریمبرینڈ، سب سے زیادہ مشہور ہے۔

Marfat.com

ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے فرق کو واضح کرنا ضروری ہے دراصل یورپی نشاۃ ثانیہ بازیافت کا عمل ہے جبکہ ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اصلاح اور تجدید کا عمل ہے چنانچہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں ادب، فن تعمیرات ومصوری پر خاص دھیان رکھا گیا جبکہ ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں ادب اور معاشرہ پر زیادہ توجہ دی گئی۔ تعمیرات ومصوری میں مغرب کے آگے اس نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ ہمارا جو تعمیراتی ذوق اور اس کی علامتیں (گنبد، محراب، مینار، نقاشی و پچی کاری اور شمال وجنوب کے مندروں کی انفرادی طرز تعمیر) تھیں وہ اب بری معلوم ہونے لگیں حتی کہ مکانوں کے زنانہ اور مردانہ حصوں کی تخصیص بھی باقی نہ رہی ایسا ہی کچھ حال مصوری میں بھی تھا، مصوری کی نازکی کے بجائے علامتی اور نہ سمجھ میں آنے والی مصوری ہی اچھی سمجھی جانے لگی۔ صنعتی انقلاب نے دستکاری کو ختم ہی کر دیا اور ایسی دستکاری جس نے لندن کے ایوانوں میں بھی اپنا سکہ جما لیا تھا لیکن مشینوں کے آگے دستکار زیادہ دنوں تک ٹھہر نہ سکے چنانچہ قدیم علوم کی بازیافت اور جدید علوم کی جانب پیش رفت اور معاشرہ کی اصلاح کے تعلق سے ہی ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) کے بعد سے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم ہندوستان میں مضبوط ہوتے چلے گئے اور اب یہ محض تجارتی کمپنی نہ رہی بلکہ لامرکزیت اور لاقانونیت کا شکار برصغیر کی سیاست میں بھی دخل اندازی اور چیرہ دستی کرنے لگی۔ لہٰذا رفتہ رفتہ کمپنی نے اپنی چال بازیوں سے سیاسی شکست دے کر ''سونے کی چڑیا،، پر قبضہ کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہندوستان کی سرزمین پر براہ راست برطانوی حکومت کا پرچم لہرانے لگا اور عمائدین قوم خواب غفلت سے بیدار ہوئے تو احساس ہوا کہ صرف سیاسی شکست ہی نہیں بلکہ تہذیبی اور ثقافتی شکست بھی ہو چکی ہے۔

Marfat.com

یہ واقعہ ہے کہ برطانوی حکومت کے جو اثرات ہندوستانی سماج پر پڑے وہ ان سبھی اثرات سے مختلف تھے جو اس وقت تک ہندوستان پر ہوئے تھے۔ غیر ملکی حملہ آوروں نے متعدد بار ہندوستان کو شکست دی۔ لیکن ہندوستان نے کبھی بھی اعتماد نہیں کھویا تھا۔ چونکہ انگریز حملہ آور پوری طرح سے مختلف تھے ۱۸ویں صدی عیسوی میں ایک جدید عقلیت پسندی کی لہر دوڑ رہی تھی، اس کے ردعمل میں ایک بیداری کے عہد کا آغاز ہوا۔ منطقی دلائل، سائنس اور سائنسی نقطۂ نظر نے سیاست، فوج، معیشت اور مذہب سبھی کو متاثر کیا اور اب یورپ تمدنی لحاظ سے سب سے ترقی یافتہ براعظم بن گیا۔ اس کے برعکس ہندوستان ایک بے جان اور زوال پذیر سماج کی تصویر پیش کر رہا تھا، اس طرح ہندوستان کا ایک ایسی قوم سے سامنا تھا جو نہ صرف رنگ میں سفید تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو سماجی، عسکری اور تہذیبی اعتبار سے زیادہ بہتر سمجھتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ تہذیبی و سماجی تو نہیں عسکری اعتبار سے انگریز بہتر تھے۔

انقلاب کے بعد شکست و ریخت سے دوچار ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ کی لہر میں تیزی تو آئی اس بیداری اور شعور کی رو، انگریزوں کے تسلط کے ساتھ ساتھ ہی شروع ہوچکی تھی جس کا پہلا مسکن بنگال تھا۔ جس پر انگریزوں نے سب سے پہلے قبضہ کیا۔ شمال میں ۱۸۰۳ء میں سقوط دہلی کے بعد، جو کہ قدیم دہلی کالج کے عروج کا زمانہ ہے، اس کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اس سے قبل برہمو سماج اور ولی اللہی تحریک نے مزید راستہ ہموار کر دیا تھا۔ ان کے بعد علی گڑھ تحریک، دیو بند تحریک، آریہ سماج، پرارتھنا سماج اور رام کرشن مشن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہاں پر برہمو سماج اور ولی اللہی تحریک کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ انہیں قدیم دہلی کالج پر تاریخی تقدم حاصل ہے، ان کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے بعد کی اہم شخصیات یا تحریکات جنہوں نے ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، کا ذکر بے محل ہے کہ یہ نہ موقعہ ہے اور نہ مناسب۔

Marfat.com

راجہ رام موہن رائے اور برہمو سماج

انیسویں صدی میں مخصوص تہذیبی بیداری کا مرکزی کردار راجہ رام موہن رائے تھے جنھیں بجا طور پر جدید ہندوستان کا پہلا عظیم لیڈر مانا جاتا ہے۔انہوں نے تا عمر سماجی، مذہبی اور سیاسی اصلاح کرنے اور اسے نیا جنم دینے کے لئے جان توڑ محنت کی اس دور کے سماج پر ذات پات اور روایات پرستی کا غلبہ نیز مذہب کے نام پر توہم پرستی کا دور دورہ تھا۔اعلیٰ طبقوں میں خودغرضی بہت بڑھ گئی تھی وہ اکثر اپنے محدود ذاتی مفاد کی خاطر سماجی مفاد کا خون کر دیتے تھے۔راجہ رام موہن رائے کے قلب میں مشرق کے روایتی فلسفیانہ نظام کی بہت عزت اور محبت تھی ۔لیکن ساتھ ہی وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانی سماج کو نئی زندگی صرف جدید تہذیب دے سکتی ہے وہ خاص طور پر یہ چاہتے تھے کہ ان کے ہم وطن عقلیت پسندی اور سائنس پر مبنی رویہ اپنائیں اور انسانی وقار و سماجی مساوات کے اصولوں کو شعار بنائیں ۔وہ ملک میں صنعت اور جدید سرمایہ کاری کا آغاز بھی چاہتے تھے۔

راجہ رام موہن رائے کے کردار میں مشرق و مغرب کے خیالات اور فکر و نظر کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے وہ ایک فاضل تھے اور کئی زبانیں جانتے تھے جن میں سنسکرت،عربی ،فارسی ،انگریزی،فرانسیسی ،لاطینی ،یونانی اور عبرانی وغیرہ زبانیں شامل ہیں[11]۔

نوجوانی میں انہوں نے سنسکرت ادب اور ہندو فلسفے کی تعلیم وارانسی میں حاصل کی ،جبکہ پٹنہ میں فارسی و عربی ادب اور قرآن شریف کا مطالعہ کیا۔اس کے علاوہ انہیں جین مت اور ہندوستان کے دوسرے مذہبی گروہوں اور مذہبی تحریکوں کا بھی علم تھا بعد کے برسوں میں انہوں نے مغربی فکر اور تہذیبی روایتوں کا گہرا مطالعہ کیا۔۱۸۰۹ء میں

Marfat.com

انہوں نے فارسی زبان میں اپنی تصنیف "تحفة الموحدین،، لکھی۔اس کتاب میں انہوں نے بہت سے خداؤں پر ایمان لانے کے خلاف بھاری بھرکم دلیلیں پیش کیں اور خدائے واحد کی پرستش کی وکالت کی[۱۲]۔

۱۸۱۴ء میں کلکتہ کو اپنا مستقل مستقر بنالیا۔نوجوانوں کو اپنے خیالات سے متاثر کر کے ان کی مدد سے "آتمیہ سبھا،، شروع کی[۱۳] اور اس کے بعد انہوں نے ان تمام مذہبی اور سماجی برائیوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جو اس دور میں بنگالی ہندوؤں میں عام تھیں۔انہوں نے خاص طور سے بتوں کی پوجا، ذات پات کے کٹر امتیازات اور بے معنی مذہبی رسوم کی زبردست مخالفت کی اور ان رسوم کو ہوا دینے والے مذہبی پیشواؤں کی سخت مذمت کی۔ان کا کہنا تھا کہ ہندوؤں کی تمام اہم قدیم کتابوں میں وحدانیت کا سبق دیا گیا ہے۔انہوں نے اپنے خیالات کی وضاحت کی خاطر ویدوں کے اور پانچ اہم اپنشدوں کے بنگالی ترجمے کئے مزید وحدانیت کے حق میں کئی کتابچے اور رسالے بھی تصنیف کئے[۱۴]۔

راجہ رام موہن رائے نہ تو ہندوستان کے ماضی پر آنکھ بند کر کے تکیہ کرنے کو تیار تھے نہ مغرب کی اندھی تقلید کی اجازت دیتے تھے۔بلکہ چاہتے تھے کہ نیا ہندوستان عقل وخرد کی رہنمائی میں مشرق ومغرب دونوں کے خزینوں کے بہترین عناصر اپنے اندر رچا بسا لے۔کٹر لوگ ان سے خفا تھے کیونکہ وہ بت پرستی کی تنقید کرتے تھے اور فلسفیانہ زاویے سے عیسائیت اور اسلام کو پسند کرتے تھے۔لوگوں نے ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جس میں خود ان کی ماں بھی شامل ہوگئیں ان پر بدعت پرستی کا الزام لگایا گیا اور انہیں برادری سے خارج کر دیا گیا۔

راجہ رام موہن رائے نے ۱۸۲۹ء میں برہمو سبھا نام سے ایک سوسائٹی قائم کی جو بعد میں "برہمو سماج،، نام سے مشہور ہوئی[۱۵]۔جس کا مقصد ہندو تہذیب کی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی سماج کو سدھارنا بھی تھا۔انہوں نے زندگی بھر سماجی

Marfat.com

برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ جس کی عمدہ مثال وہ تاریخی تحریک ہے جو راجہ رام موہن رائے نے عورت کے ''ستی'' ہو جانے کے غیر انسانی رواج کے خلاف چلائی۔ اس کے خلاف انہوں نے ۱۸۱۸ء سے ہی عوام میں نفرت کا جذبہ بیدار کرنا شروع کر دیا تھا۔ بالآخر ۴؍دسمبر ۱۸۲۹ء کو مشہور سترھواں قانون پاس ہوا جس نے ستی کو جرم اور عدالتوں کے ذریعہ قابل تعزیر قرار دیا گیا[۱۶]۔

اس کا ردعمل بھی ظاہر ہوا اور بہت سے لوگوں نے دستخط کرا کے سرکار سے ناراضگی کا اظہار کیا ان لوگوں کے جواب میں راجہ رام موہن رائے نے کلکتہ کے تین سو شہریوں کے دستخط کرا کر گورنر جنرل کے پاس ایک مبارکباد کی عرضی بھیجی۔ اس طرح راجہ رام موہن رائے کی کوششیں بارآور اور کامیاب ہوئیں۔

راجہ رام موہن رائے کے وقت میں ہی اور ان کی کوششوں سے ایک اہم سماجی برائی کا خاتمہ ہوا وہ تھا بچوں کا قتل بلکہ انگریزوں نے سب سے پہلے قانون اسی کے خلاف بنایا۔ کچھ لوگ اپنے غلط عقائد کی بناء پر بڑے ہی پراسرار طریقے سے بچوں کا قتل کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوؤں میں یہ قدیم رواج چلا آرہا تھا کہ وہ مذہبی امور کے صحیح انجام ہونے پر منت کے طور پر بچے کو گنگا میں پھینک دیتے تھے مثال کے طور پر کوئی لاولد عورت اولاد کی خاطر استدعا کرتے ہوئے یہ عزم کرتی کہ اگر اس کے ایک سے زیادہ بچے ہوں گے تو وہ ایک گنگا ماں کی نذر کر دے گی[۱۷]۔

بچوں کے قتل کی ایک دوسری شکل زیادہ بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی تھی یہ خاص کر وسط اور مغربی ہندوستان میں عام تھی۔ وہاں لڑکیوں کی شادی میں دقت ہوتی تھی اس لئے ماں باپ انہیں بچپن میں ہی نامناسب غذا دے کر یا کبھی کبھی ماؤں کے پستانوں کے اگلے حصے میں زہر لگا کر مار ڈالتے تھے[۱۸]۔

آخر کار حکومت نے بچوں کے قتل کی ان دونوں شکلوں کو بند کرنے کے لئے قانون بنایا۔ اس طرح ۱۷۹۵ء کے بنگال قانون ۱۲ اور ۱۸۰۲ء کے قانون نے علی

Marfat.com

الترتیب بچوں کے قتل کے دوسرے اور پہلے شکلوں کو بند کر دیا[19]۔

راجہ رام موہن رائے عورتوں کے حقوق کے زبردست حامی تھے بیوہ کو سماجی طور پر گرا دینے کی شدید مذمت کی انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ خواتین کو جائداد میں حصہ اور وراثت کا حق دیا جائے۔ راجہ رام موہن رائے ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے جدید تعلیم پر زور دیا اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ ''الیگزنڈر ڈف،، (Alexender Duff) جو کہ اسکاٹ لینڈ کا مشنری تھا، کے ساتھ مل کر انہوں نے Scottish Mission Secondary School قائم کیا۔ جو بعد میں ترقی کر کے کالج کی شکل اختیار کر گیا[20]۔ ۱۸۲۵ء میں انہوں نے ایک ''ویدانت کالج'' کھولا جہاں ہندوستانی علوم اور مغربی مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ مزید برآں ۱۸۱۷ء میں ڈیوڈ ہیئر (Devid Hare) کے ذریعہ قائم کئے گئے مشہور ہندو کالج کے تمام تعلیمی پروجیکٹوں میں ان کی مدد کرتے رہے[21]۔ ان کے تعلیمی نظریے پر لکھتے ہوئے جی. ایس. کرشنیا ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> "He opposed the opening of new sanskrit colleges though he did support existing oriented institutions.He urged the government to start colleges which would teach western science and to furnish them with the necessary books, instruments and other appratus."[22]

راجہ رام موہن رائے عوام میں سائنسی ادبی سیاسی معلومات عام کرنے کی خاطر

Marfat.com

بنگالی، فارسی، ہندی اور انگریزی میں رسالے شائع کئے جس کے ذریعہ عوام کی آواز ان کی شکایتیں اور مطالبے سرکار تک پہنچاتے تھے۔ راجہ رام موہن رائے بنگال کی عوام کو اس بات سے بھی متنبہ کیا کہ زمینداروں نے کسانوں پر ظلم ڈھا رکھا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ زمین کے اصل کاشتکاروں کے لگان کی زیادہ سے زیادہ شرح طے کر دی جائے تا کہ وہ بھی ۱۷۹۳ء کے "مستقل فیصلے کی مراعات" کا فائدہ اٹھا سکیں۔ انہوں نے کمپنی کے تجارتی حقوق کو ختم کرنے اور ہندوستانی اشیاء پر سے بھاری ایکسپورٹ ڈیوٹی ہٹانے کا بھی مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ چند اہم مطالبے انہوں نے اور کئے۔ مثلاً اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے ہندوستانیوں کے لئے کھولے جائیں انتظامیہ اور عدلیہ کو علیحدہ کیا جائے مقدمہ صرف منصفوں کے سامنے چلایا جائے اور یوروپی و ہندوستانی شہریوں کو عدالتی مساوات دی جائے۔

راجہ رام موہن رائے کے بعد دیوندر ناتھ ٹیگور نے برہمو سماج کی ذمہ داریوں کو سنبھالا اور اسے ترقی دیکر راجہ رام موہن رائے کے نظریات کو فروغ دیا۔

تحریک ولی اللّٰہی

اٹھارہویں صدی کے اواخر تک ہندوستان میں مسلم معاشرہ پر انحطاط اور جمود طاری ہو چکا تھا توہم پرستی، قدامت پسندی اور روایت پرستی نے پورے معاشرہ کو جکڑ رکھا تھا وہ معاشرہ جو مغلیہ عہد میں پروان چڑھا تھا اب اس کا شیرازہ بکھرتا جا رہا تھا اس کی قوت، جوش، ولولہ اور تخلیقی صلاحیت سلب ہو رہی تھی۔ یہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط سے پیدا ہونے والے چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔ ایسے ہمت شکن اور مایوس کن حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۲-۱۷۶۲) نے اپنی اصلاحی اور تجدیدی تحریک کا آغاز کیا اور معاشرہ کو انحطاط اور تنزل کے راستے سے نکالنے میں ہر ممکنہ کوشش کی۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہ ایک انقلابی ذہنیت کی حامل شخصیت تھی۔ جنھوں نے مذہبی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی بلکہ تمام شعبوں میں تجدیدی کارنامہ انجام دیا اور ہر ایک کے اصول و نظریات پیش کئے۔ چنانچہ انیسویں صدی میں مسلمانوں میں بیداری اور اٹھنے والی تمام تر مذہبی، تعلیمی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی تحریکات کا سرچشمہ انہیں سے آ کر ملتا ہے اور ہر ایک نے انہیں کے قائم کردہ اصولوں کو اپنانے کی کوشش کی۔ ان کے تمام نظریات سے قطع نظر صرف ان چند اصولوں کا مطالعہ کریں جو انہوں نے معاشرے کی برائیوں، دولت کی غلط تقسیم اور طبقاتی استحصال کے سلسلے میں بیان کئے ہیں وہ اتنے اہم ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے حکومت میں عدم استحکام اور انارکی وافراتفری کا ماحول پیدا ہوتا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

۱- دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور، کاشتکار قوتِ کاسبہ ہیں۔ باہمی تعاون مدنیت (شہریت) کی روح رواں ہیں جب تک کوئی شخص ملک وقوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا حصہ نہیں[۲۳]۔

۲- مزدور، کاشتکار جو لوگ ملک وقوم کے لئے دماغی کام کریں دولت کے اصل مستحق ہیں ان کی ترقی وخوش حالی ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لئے خطرہ ہے[۲۴]۔

۳- جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدور، کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے[۲۵]۔

۴- کام کے اوقات محدود کئے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے[۲۶]۔

۵- وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش وعشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد

Marfat.com

از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ نظام زندگی کا موقعہ دیا جائے[۱۷]۔

اس طرح کے بے شمار اصول انہوں نے قوم وملک کے سامنے رکھے تا کہ ایک مضبوط معیشت والا نظام زندگی کو اپنایا جاسکے اور ایک بہترین سماجی ڈھانچہ تیار ہو اور ہاں! ان اصولوں کو پڑھتے وقت ذہن میں یہ بات تازہ کر لینی چاہئے کہ اس وقت تک یورپ میں نہ کارل مارکس پیدا ہوا تھا نہ سوشلزم کی کوئی تحریک چلی تھی۔

شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کو آگے بڑھانے والوں میں ان کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جنھوں نے سقوط دہلی کے بعد ہندوستان کو ۱۸۰۳ء میں دارالحرب قرار دے کر جنگ آزادی کا بگل بجادیا۔ اس کے بعد اس تحریک کا رخ تمام تر سیاسی ہوگیا لیکن کسی نہ کسی حد تک اصلاح کا کام ہوتا رہا۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا نام قابل ذکر ہے۔ جنھوں نے ''تقویت الایمان'' لکھ کر مروجہ رسوم اور معاشرتی برائیوں کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ ان میں نکاحِ بیوگاں، حسب ونسب پر بے جا فخر کرنے سے گریز، شادیوں میں فضول خرچی، مختلف رسوم سے ہٹ کر توحید خالص کی دعوت قابل ذکر ہیں۔ مثلاً وہ ایک جگہ پر حسب ونسب پر فخر کرنے والوں پر چوٹ کرتے ہیں:

> ''یہ بلا ان قوموں میں جو اونچی کہلاتی ہیں
> جیسے، شیخ، سید، پٹھان خصوصاً پیرزادوں اور
> مولویوں میں بڑی کثرت سے پائی جاتی
> ہے لوگ اس کی برائی پر غور نہیں کرتے
> حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سید،
> مغل، شیخ، پٹھان، دھنئے، جلاہے، ترکاری
> فروش، قصاب، موچی، تیلی، تنبولی،

Marfat.com

چوڑھے، چمار، مالدار، مفلس، پیغمبر، غوث،
قطب، ولی، اچھے، برے، کافر اور مسلمان
سب حضرت آدم اور حوّا کے بیٹے اور بیٹیاں
ہیں... یعنی انسان میں اعلیٰ خاندان ہونے
کی وجہ سے بزرگی پیدا نہیں ہوتی ذاتیں تو
محض تعارف کا ذریعہ ہیں... ذات پر فخر
کرنا محض نادانی اور حماقت ہے[۲۸]۔

بیوہ عورتوں کے دوبارہ نکاح کرنے پر بھی انہوں نے زور دیا چنانچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"عورت، مرد دونوں نکاح ثانی کو
عیب سمجھنے لگے۔ اگر کوئی اللہ کی بندی اپنی
بے بسی کی وجہ سے نکاح ثانی کرلے تو
جاہل اس کو شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں
..... تعجب کی بات ہے کہ عورت مرجائے
تو مرد دوسرا نکاح کرلے اور اسے ٹیڑھی
آنکھ سے بھی نہ دیکھے۔ لیکن اگر شوہر
مرجائے اور عورت نکاح ثانی کرے تو
ایک آفت بپا کردی جائے۔ تماشے کی
بات تو یہ ہے کہ کنواری بچی کو بٹھانا تو بھاری
سمجھا جائے۔ لیکن بیوہ کے بٹھانے میں
کچھ بھی حرج نہیں سمجھا جائے.... مینھ سے
بھاگنا اور پرنالے کے نیچے بیٹھنا اسی کو
کہتے ہیں[۲۹]۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ جلد دوم
(نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نومبر ۲۰۰۰ء) ص ۲۰۶

۲۔ E VAN (MAURICE)
English Poetry in the sixteenth century
(London: 1955) P. 10

۳۔ Encyclopedia of Bratanica Page 1020
(London : 1980)

۴۔ Ibid

۵۔ Renaissance Italy
(P. 65)

۶۔ Ibid

۷۔ Gibbon
History of Europe : 175
(London)

۸۔ Ibid

۹۔ Bipin Chandra
Modren India
(S. Chand & Co. Delhi : 1990)

۱۰۔ G. S. Krishnayya
Raja Ram Mohan Ray
(N.C.E.R.T. - New Delhi)

۱۱۔ B. L. Grover
History of Modern India

Marfat.com

(S. Chand & Co. (p) Ltd., New Delhi, 1988)
P. 369

۱۲۔ G. S. Krishnayya
Raja Ram Mohan Roy
(New Delhi : NCERT, 1969) P.14.

۱۳۔ Ibid, P. 26

۱۴۔ Ibid, P. 26

۱۵۔ S.H.Naqvi
Reading in indain History Modern Inida, vol III,
(New Delhi: Verma Brothers, 1979,) P.251

۱۶۔ Ibid, p. 193

۱۷۔ Ibid, p. 190.

۱۸۔ Ibid, P. 190. and S.H.Naqvi
Reading in Indian History Modern Inida
(New Delhi: Verma Brothers, 1979,) P. 254

۱۹۔ Ibid, P.384. and Majumdar, Rayachoudhari Dutt
Bharat Ka Brihat Itihas, vol III
(Madras: Macmillan India Ltd., 1990) P.190

۲۰۔ G.S.Krishnayya
Raja Ram Mohan Roy
(New Delhi: NCERT, 1969,) P.73

۲۱۔ Ibid, p. 71

۲۲۔ Ibid, p. 73

۲۳۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ جلد اول
(دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، ۱۹۶۵ء) ص ۱۴۱، باب السیاسۃ المدنیہ۔

۲۴۔ ایضاً، باب ابتغاء الرزق، ص ۳۱۵.

Marfat.com

۲۵۔ ایضاً، باب السیاستہ المدنیہ، ص ۱۳۱۔

۲۶۔ ایضاً، باب الرسوم السائرہ، ص ۱۳۹۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۲۸۔ شاہ اسمعیل شہیدؒ، تقویت الایمان

(دیوبند: مکتبہ تھانوی، ۱۹۸۴ء) ص ۲۵۶-۲۵۵۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۸۲-۲۸۱

Marfat.com

Marfat.com

باب دوم

Marfat.com

Marfat.com

قدیم دہلی کالج: نوعیت اور مقاصد

قدیم دہلی کالج سے قبل چند مشن اسکول

سب سے پہلے ۱۷۴۲ء میں پادری کیرنانڈر (KIERNANDER) نے سینٹ ڈیوڈ اور اس کے قرب و جوار میں ہندوستانی بچوں کے لئے امدادی اسکول قائم کئے۔ کلائیو جس نے پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو ۱۷۵۷ء میں ایک فیصلہ کن شکست دی۔ اس نے کیرنانڈر کو بنگال آنے کی دعوت دی۔ اس پادری نے کلکتہ میں ۱۷۵۸ء میں ایک اسکول قائم کیا۔ اس طرح مدراس کے ساتھ ساتھ کلکتہ میں بھی جدید تعلیمی اداروں کا آغاز ہوگیا۔ میسور کے سلطان حیدر علی نے ''تنجور'' کے مقام پر ایک انگلش اسکول قائم کیا۔ بعد میں تنجور کے ریذیڈنٹ کی مدد سے ۱۷۸۵ء کو رام ناڈ اور شیو گنگا میں تین مزید اسکول قائم ہوئے۔[1]

اس لحاظ سے ان اسکولوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہندوستانیوں کو انگریزی میں تعلیم دینے کا سلسلہ ان اسکولوں سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ اسکول ان توقعات کے ساتھ کھولے گئے تھے کہ کمپنی اور عوام کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا ہوں گے۔

فورٹ ولیم کالج

اسی مقصد کے تحت کمپنی نے کلکتہ میں گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کے ایماء پر ایک اہم ادارہ ''فورٹ ولیم کالج'' قائم کیا۔ جس کا مقصد نو وارد کمپنی کے ملازمین کو اردو و دیگر ہندوستانی زبانیں اور مشرقی علوم سکھائے جائیں۔ جس کے تحت ۱۸۰۰ء میں علماء

Marfat.com

ودانشوروں کو بلا کر کلکتہ میں جمع کیا گیا اور نصاب تیار کرایا گیا۔ اس طرح بڑے پیمانے پر جب ہندوستان میں اسکول و کالج قائم ہونے لگے تو حکومت برطانیہ بھی کمپنی کی جانب متوجہ ہوئی۔

تعلیمی اداروں کے علاوہ ان مشنریوں نے ہندوستانی زبانوں کے سیکھنے اور سکھانے کی جو کوششیں کیں وہ اتنی اہم ہیں کہ ہندستان کی سماجی اور لسانی تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ انہیں سماج کے سب سے پچھڑے ہوئے طبقے میں کام کرنا پڑتا تھا جو اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھیں۔ لغت اور قواعد کی کتابیں تیار کیں اور ان زبانوں میں بائبل کے تراجم کئے۔

ثقافتی یلغار اور مغربی طرز زندگی کا خیر مقدم

ان عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کے ذریعہ قائم کردہ مشن اسکولوں نے براہ راست ہندوستانی ثقافت کو متاثر کیا چنانچہ بنگالیوں نے جس تیزی سے انگریزی اثرات اور مغربی علوم وفنون کو اپنایا اس کی ایک جھلک اس مثال سے دیکھی جاسکتی ہے:

> ''فروری ۱۸۲۴ء میں جب بشپ ھیبر
> گورنر جنرل کے دربار میں شریک ہوئے تو
> انہوں نے بہت سے ایسے بنگالی دیکھے جو
> انگریزی میں نہ صرف روانی بلکہ خوش
> اسلوبی سے بات چیت کرسکتے تھے''[۲]

ہندوستانیوں نے مغربی علوم وفنون کو اس تیزی سے اپنایا کہ خود اہل یورپ بھی ان کی ترقی دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ۱۸۳۱ء کی رپورٹ میں واضح طور پر اس امر کی جانب اشارہ ہے:

Marfat.com

''یہاں انگریزی زبان پر اس قدر
قدرت اوراس کے ادب وسائنس سے
اس قدر واقفیت حاصل کرلی گئی جس کی
مثال یورپ کی کسی درسگاہ میں شاذ ونادر
ہی ملے گی۔انگریزی کا مذاق دور دور تک
پھیل گیا ہے''۳؎

انیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں مغربی علوم وفنون کا ایک سیلاب ہے جس کا ہندوستانیوں نے خیر مقدم کیا۔اس سے قبل ہی لکھنؤ میں مشرق ومغرب کا حسین امتزاج آصف الدولہ (۱۷۷۵ءتا۱۷۹۵ء) کے زمانے میں دیکھا جاسکتا ہے۔جب اس نے اپنا دارالسلطنت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا اور جدید طرز کی عمارتیں تعمیر کروئیں مثلاً:

''آصف الدولہ نے شاندار عمارتیں
بنوائیں ان کے زمانے کا فن تعمیر نہ صرف
بجائے خود ایک دلچسپ مطالعہ ہے بلکہ
مشرق ومغرب کے ملاپ کی مثال ہے''۴

یہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کی لائی ہوئی بہت سی چیزوں کو اختیار کیا۔جس چیز کا وہ نام تک نہ جانتے تھے آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کررہے تھے اور بہ رضا ورغبت اپنا رہے تھے جس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے:

''انگریزوں نے ٹیکے (چیچک) کے
عمل کی برکت کو ہندوستان کے ہر طبقہ کے
اوگوں میں رواج دیا۔جس کی بدولت ہ

Marfat.com

سال لاکھوں جانیں چیچک کے مہلک حملے
سے بچ جاتی ہیں۔ اس ہمدردانہ تحریک میں
برہمنوں نے تعصب کو بھلا دیا اور ان کے
وسیع وزبردست اثر سے ہندوؤں کی
دوسری قوموں نے بھی ٹیکہ لگوانا شروع
کردیا''۔[5]

مغربی اثرات ہندوستانی سماج پر اس تیزی سے اثر انداز ہو رہے تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے انگریزی تعلیم اور انگریزی فیشن پھیل جانے کے باعث اعلیٰ طبقوں کے سوچنے سمجھنے کے انداز بدل گئے اور ان کی پسند و ناپسند میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ مغربی اثرات کی یہ جھلک قلعۂ معلیٰ کی چہار دیواری میں بھی نظر آنے لگی۔ مغل شہزادے بڑی شان وشوکت سے انگریزی وضع قطع کے لباس پہننے لگے۔ ان کا رہن سہن پہننے اوڑھنے کے طریقے بھی انگریزوں جیسے ہو گئے۔

پرسیول اسپیئر رقم طراز ہیں:

''اکبر کا دوسرا بیٹا بابر یورپین انداز سے
متاثر تھا اس نے رنگ محل کے احاطے میں
دیواں عام کی پشت پر یورپین انداز کا محل
تعمیر کروایا تھا جس کو ''کوروتھین'' ستونوں
اور دیواروں پر ''اسٹکو'' کی استرکاری نے
شاہ جہاں کے فن تعمیر کے مداحوں کو صدمہ
پہنچایا۔ وہ یورپین وضع کا لباس پہنتا تھا اور
چھ گھوڑوں کی بگھی میں شہر کا دورہ کرتا تھا۔
وہ سب سے چھوٹا ہونے کے ساتھ

Marfat.com

ساتھ واحد شخص تھا جو یورپین عادات اطوار
سے بے تکے پن کی حد تک متاثر تھا۔ مثلاً
جب اس نے انگریزی طرز کی بگھی بنوائی تو
اس نے اس بات زور دیا کہ کوچوان کی
سیٹ اس کی سیٹ سے اونچی نہ ہو۔ یورپین
وضع کا کوٹ پہنتا تھا جس میں سینے پر
دونوں طرف ستارے لگے ہوتے تھے
انگریزی وضع کا جوتا پہنتا تھا اور ہاتھ میں
ایک بھاری چھڑی لے کر چلنے کا شوق
تھا''۲

مغربیت کی اس تقلید نے ہندوستان کے باشندوں کو اپنے لباس کی تراش خراش، عادات واطوار، پہننے اوڑھنے کے طریقے یہاں تک کہ اپنے علوم وفنون اور تعلیمی درسگاہوں اوران کی خدمات سے منحرف کردیا تھا اور رفتہ رفتہ ان کی یاد بھی دلوں سے محو ہوتی جارہی تھی

مشرقی علوم پر ضرب اور درسگاہوں کی حالت زار

اس کے پس پشت وہ انقلاب تھا جس نے اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی افق کو تاریک کردیا تھا۔ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے قدیم طرز کی درس گاہوں کو سخت نقصان پہنچا ان نقصانات کے بہت سے اسباب ہیں جن میں غالباً سرفہرست دو ہیں۔ ایک ان عطیات کا فقدان جن کی بنیاد پر یہ درس گاہیں قائم تھیں۔ دوسرے سیاسی انتشار و خلفشار جس نے زندگی میں بے یقینی پیدا کردی تھی نہ سر چھپانے کو جگہ تھی نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا نہ پیٹ کو روٹی۔ تعلیم کے لئے اطمینان وسکون کی

Marfat.com

زندگی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ استاد و شاگرد کے درمیان جب بھی اس اطمینان وسکون کا فقدان ہوگا مدرسے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں خالی ہو جائیں گی۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی کی بے اطمینانی اور تلاطم والے ماحول نے درسگاہوں کو ویران کر دیا اور مشرقی علوم وفنون کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے محو ہونے لگی اور اس کی جگہ مغربی علوم وفنون نے لے لی لہذا اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مغلوب قوم غالب قوم کے فکری، علمی اور ثقافتی سرمایہ کو نہ صرف مستحسن نظروں سے دیکھتی ہے بلکہ انہیں اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

مدرسہ کلکتہ اور بنارس سنسکرت کالج

قدیم دہلی کالج کا وجود کبھی بھی نہ ہوتا اگر مشنریوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کے مفاد آپس میں نہ ٹکراتے۔ مشنریوں نے ہندوستانیوں کی تعلیم کی آڑ لے کر عیسائی مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ جبکہ کمپنی خالص تجارتی ادارہ تھا اسے یہاں کی عوام کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا وہ تو محض تجارت کی غرض سے اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ بڑھتی ہوئی عیسائیت کی تبلیغ سے ہندوستانی بدظن ہو گئے۔ جس کی وجہ سے عوام اور پادریوں کے درمیان اکثر جھڑپیں ہو جاتی تھیں اور یہ مذہبی تکرار کمپنی کے حق میں مضر ثابت ہوتی۔ جیسے جیسے کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا گیا اس میں مذہبی غیر جانبداری کا احساس شدت اختیار کرتا گیا اور ایک وقت وہ آیا کہ جب کمپنی کے حکام حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ مشنریاں ان کے علاقے تک سے نکل جائیں۔

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ تعلیمی ادارے شاہانِ وقت، امراء ورؤسا کے تعاون سے چلتے تھے اور یہی حضرات ادب وفنون لطیفہ کے سرپرست تھے۔ ان ہی کے تعاون سے اداروں کے اخراجات کے لئے اوقاف کا

Marfat.com

انتظام ہوتا تھا تا کہ یہ ادارے خود کفیل ہو جائیں اور مالی مشکلات کا سامنا نہ کریں۔ علماء وفضلا کی ہمت افزائی کے لئے انہیں اعزازات دئے جاتے تھے۔طلباء کو علوم کی جانب راغب کرنے کی خاطر وظائف کا انتظام ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔اس لئے کمپنی کے افسران نے محسوس کیا کہ انہیں بھی ہندستانی حکمرانوں ،نوابوں اور شہنشاہوں کی طرح روایتی انداز سے ان علوم کی سرپرستی کرنی ہوگی اگر روایتی انداز سے ان علوم وعلماء کی سرپرستی کی گئی تو وہ یقیناً عوام کے دلوں کو مسحور کر لیں گے۔ نیز یہ کہ شرفا ومعزز خاندان کے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دے کر کمپنی میں ملازمت دینے سے نہ صرف عوام کی ہمدردی حاصل ہوگی بلکہ اعلیٰ طبقہ کا اعتماد بھی حاصل ہوگا اور وہ انگریزی تعلیم کو مفید اور انگریزوں کو اپنا ہمدرد سمجھنے لگیں گے۔اس سے کمپنی کے استحکام میں مدد ملے گی اسی سیاسی مصلحت نے کمپنی کو ایک نئی راہ پر گامزن کیا اور امدادی ونیم امدادی اسکولوں سے ہٹ کر بالکل مختلف قسم کے تعلیمی اداروں کی بنیاد ڈالی گئی۔

ایسی ہی تعلیم گاہوں میں سب سے اہم کلکتہ کا مدرسہ (۱۷۸۱ء) اور بنارس سنسکرت کالج (۱۷۹۱ء) تھا۔کلکتہ مدرسہ کا مقصد ،جس کی بنیاد ''وارن ہسٹنگز'' نے ڈالی تھی، یہ تھا کہ شرفاء کے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دے کر کمپنی میں ملازمت دی جائے تا کہ مسلمانوں کی ہمت افزائی ہو اور یہ طبقہ کمپنی کا وفادار ہو جائے بنارس سنسکرت کالج کا مقصد بھی تقریباً یہی تھا گو اس کے تعلیمی نصاب میں مشرقی اور کلاسیکی علوم کو ہی فوقیت دی گئی تھی۔گویا کلکتہ مدرسہ اور بنارس سنسکرت کالج کا قیام مشرقی مکتب خیال کے ماننے والوں کا آغاز تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے پس پشت سیاسی نظریات کارفرما تھے۔ حالانکہ راجا رام موہن رائے جیسے ہندوستانیوں نے یہ کہہ کر اس کی پرزور مخالفت کی کہ اگر حکومت کی یہ حکمت عملی ہے کہ ملک کو تاریکی میں رکھا جائے تو سنسکرت اور مشرقی علوم زیادہ نفع بخش ہیں لیکن مقامی عوام کو اگر ترقی سے ہم کنار کرنا ان کا مقصد ہے تو

Marfat.com

بہتر یہ ہے کہ عصری علوم مثلاً ریاضی ، علم نباتات (Botany) علم حیوانات (Zoology) علم جراحی (Anotomy) اور علم کیمیا (Chemistry) وغیرہ کو شامل کیا جائے ۔ بہر حال کمپنی کے حکام تعلیم کی سرپرستی کر کے عوام کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ظاہر ہے کہ تعلیم سے زیادہ سیاسی مصلحتوں نے اہمیت اختیار کر لی تھی۔جبکہ تعلیم ایک ضمنی حیثیت رکھتی تھی۔حالانکہ دعویٰ یہ تھا کہ تعلیمی پالیسیوں کو مذہبی غیر جانبداری کا خیال رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا ہے۔

مغربی تعلیم کی جانب پیش رفت اور کمپنی کا تاریخ ساز فیصلہ

لیکن مشنریوں کو ان پالیسیوں سے سخت نقصان پہنچا مگر ناکامیوں سے مشنریوں کے عزائم پست نہیں ہوئے بلکہ وہ برابر برطانوی پارلیمنٹ میں احتجاج کرتے رہے اس باران کی ہمنوائی کے لئے ''چارلس گرانٹ'' منظر عام پر آیا۔گرانٹ کو ہندوستان میں جدید تعلیم کا بانی کہا جا سکتا ہے وہ بڑا دوراندیش اور بالغ نظر تھا۔اس کی نظر میں تمام مذاہب میں سب سے اچھا مذہب عیسائی مذہب تھا۔ہندوستان میں تعلیمی میدان میں آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ اس نے پہلے سے کر لیا تھا اور اس سلسلے میں اس کا خیال غلط بھی نہیں تھا۔اس کا کہنا تھا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کے ذریعہ جدید تعلیم دینا چاہئے اور انگریزی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے اختیار کر لینا چاہئے۔اس کا یقین تھا کہ ہندستانی انگریزی کو بہ رضا و رغبت نہ صرف قبول کریں گے بلکہ ذوق شوق سے اس میں مہارت حاصل کریں گے۔اور انگریزی اسکولوں کی طرف ان کی ساری توجہ مبذول ہو جائے گی۔چنانچہ اس سلسلے میں گرانٹ نے برطانوی رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور آنے والے چارٹر ایکٹ ۱۸۱۳ء کے تعلیمی دفعات کے لئے اس نے میدان ہموار کیا تھا اس کے ایکٹ کو جب تجدید کے لئے پیش کیا گیا تو دو نکات خاص طور پر پیش آئے۔(۱) کیا ہندستانیوں کی تعلیم اور مذہب

Marfat.com

عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مشنریوں کو کمپنی کے علاقوں میں جانے کی اجازت ہوگی؟ (۲) کیا کمپنی کو ہندوستانی عوام کی تعلیمی ذمہ داری قبول کر لینی چاہیئے؟۔ان میں سے پہلے مسئلہ پر مشنری اوران کے بہی خواہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے اور کمپنی کی ایک نہ چلی اس سلسلے میں رچرڈ کا کہنا ہے کہ:

''ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کے دیسی باشندوں کو خوشحالی اور ان کے مفاد کو فروغ دینا اس ملک کا فرض ہے اور یہ کہ ایسے اقدامات اٹھائے جائیں جن سے وہاں کے لوگوں کی اخلاقی ترقی ہواور وہ مفید علوم سے متعارف ہوں ان مذکورہ مقاصد کی ترقی واعانت کیلئے ہندوستان جانے یا وہاں رہنے کے خواہشمند لوگوں کو قانون کے ذریعہ مناسب آسانیاں فراہم کی جانی چاہیئے.....اس کا مطلب یہ ہے کہ مشنریوں کو ہندوستان میں داخل ہونے اور وہاں رہنے کی اجازت ہوگی وہاں وہ تبلیغ کر سکتے ہیں گرجے تعمیر کر سکتے ہیں اور تمام مذہبی فرائض ادا کر سکتے ہیں۔مختصراً یہ کہ وسیع تر معنوں میں اپنے مشنری فرائض کی پوری تکمیل کر سکتے ہیں''۔۸

جہاں تک ہندوستانی عوام کی تعلیمی ذمہ داریوں کا سوال تھا اس میں کمپنی کے ڈائرکٹر نے شدید مخالفت کی کیونکہ کمپنی ایک تجارتی ادارہ تھی اس کے سامنے مالی

Marfat.com

منفعت کے محرکات زیادہ تھے وہ ہندوستانی عوام کی تعلیمی ذمہ داری قبول کر کے اپنی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان دنوں خود انگلستان میں حکومت اپنے عوام کی تعلیمی ذمہ داری سے مبرا تھی لیکن اس کے ساتھ کمپنی کے حکام بھی محسوس کر رہے تھے کہ مشنری تنظیموں کو قابو میں کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیمی ذمہ داریاں بھی قبول کر لیں ورنہ مشنری ان کے قابو سے باہر ہو جائیں گے اور کمپنی کے استحکام میں روڑے اٹکانے لگیں گے۔ اسی احساس کی وجہ سے کمپنی کو یہ ذمہ داری نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنی پڑی اور کسی طرح درج ذیل قرارداد منظور کرنے میں کامیاب ہو گئے:

> ''گورنر جنرل اِن کونسل کا یہ حکم آئینی ہوگا کہ مقبوضہ علاقوں میں فوجی، شہری اور تجارتی شعبوں کے اخراجات اور قرضوں کے سود کے قاعدوں کے مطابق ادائیگی کے بعد کرایوں، منافعوں اور محصولوں کی بچت میں سے ہر سال ایک مناسب رقم جو ایک لاکھ سے کم نہیں ہوگی الگ نکالی جائے اور اسے ادب کے احیاء اور اس کی ترقی کے لئے پڑھے لکھے لوگوں کی ہمت افزائی کیلئے اور ہندوستان کے برطانوی مقبوضات میں رہنے والوں کو سائنس کے علم سے متعارف کرانے اور اس کی ترویج کے لئے صرف کیا جائے''۔9

اس قرارداد کی رو سے کمپنی کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ ایک لاکھ روپیہ کی رقم کو

Marfat.com

ہندستانیوں پر صرف کرنے کیلیۓ اپنا ایک ادارہ قائم کرے اس طرح کمپنی کو مشنریوں کی سرگرمیوں کے خلاف سیکولر ادارے قائم کر کے ان کی قوت کو کم کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کاغذی کاروائی ہونے کو تو ہو گئی۔ مگر دس سال تک کوئی رقم خرچ نہیں ہوئی۔

بالآخر ۱۸۲۳ء میں ایک جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن مقرر کی گئی جس میں دس افراد شامل تھے اس میں وِلسن (WILSON) جیسے اہم مستشرق بھی تھے اس کمیٹی کی تشکیل کا مقصد یہ تھا کہ ۱۸۱۳ء کے چارٹر ایکٹ کے مطابق ایک لاکھ روپے کی رقم کو ہندوستانیوں کی تعلیم کے مد پر خرچ کرنے کی ساری ذمہ داری اس کے سپرد کردی جائے۔

قدیم دہلی کالج کا قیام

کمیٹی میں ایسے افراد تھے جو عربی اور سنسکرت ادب کے بڑے مداح تھے۔ خود وائسرائے منٹو بھی اس نظریئے کا حامی تھا۔ اس لئے کمیٹی کے افراد کے لئے مشرقی علوم کی روایتی انداز میں ترقی واحیاء کے لئے نئے منصوبے بنانا مشکل کام نہ تھا۔ کمیٹی نے سب سے پہلے کمپنی کے مقبوضات میں ہندوستان کے دیسی مدارس کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک سرکلر جاری کیا تا کہ دیسی مدارس کی کیفیت کا علم ہو جائے۔ اس سلسلے میں دہلی کا جائزہ لینے کے لئے مسٹر جے. ایچ ٹیلر کو منتخب کیا گیا۔ اس سرکلر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ ان اداروں سے متعلق اگر ایسے اوقاف ہوں جو ان کی کفالت کرتے ہوں تو ان کا بھی ذکر کیا جائے۔ مسٹر ٹیلر نے بڑی جانفشانی سے دہلی کے اداروں کا جائزہ لے کر لکھا کہ:

"وہاں (دہلی) بہت سے خانگی مدارس موجود ہیں اور جیسا کہ مسلمانوں

Marfat.com

میں دستور ہے کہ یہ کار خیر سمجھ کر قائم کئے
گئے تھے ان مدارس میں عربی ، فارسی کی
تعلیم ہوتی ہے۔ طالب علموں کا بہت سا
وقت قرآن اور حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم
میں صرف ہوتا ہے آبادی کے مقابلے میں
طالب علموں کی تعداد بہت ہی کم ہے بلکہ
یہ کہنا چاہئے کہ کچھ نہیں'' ۱۰

آگے چل کر رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''دہلی جیسے آباد شہر میں ایسے اشخاص کی
خاصی بڑی تعداد موجود ہے جو کسی زمانے
میں بہت خوشحال تھے۔ لیکن سیاسی تغیرات
کی وجہ سے اب نان شبینہ کو محتاج ہیں مگر
اس پر بھی وہ کسی ادنیٰ پیشہ کو اختیار کرنا
باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں اس لئے اگر
مجوزہ کالج قائم ہوگیا تو اس قبیل کے بعض
لوگ ضرور اس کی طرف مائل ہوں گے
تاکہ تعلیم پاکر زندگی عزت سے بسر کرسکیں
گے'' ۱۱

چنانچہ کمپنی کے ذریعہ تعلیم میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے مسٹر ٹیلر نے دہلی میں ایک کالج کے قیام کی کوشش تیز کردی اس سلسلہ میں جگہ اور عمارت کا انتخاب ایک ضروری امر تھا لہٰذا مسٹر ٹیلر کی نگاہ مدرسہ غازی الدین حیدر کی مضبوط اور پرشکوہ عمارت پر جا کر ٹھہری۔

Marfat.com

مدرسہ غازی الدین حیدر

مسٹر ٹیلر نے مدرسہ غازی الدین میں کالج قائم کرنے کی پرزور سفارش کی کہ یہ عمارت نہایت عمدہ، پختہ اور وسیع مزید برآں شہر کی آبادی سے باہر سکون واطمینان کی جگہ پر واقع تھی مدرسہ کب قائم ہوا؟ اس کی نوعیت کیا تھی؟ پڑھایا جانے والا نصاب کس درجہ کا تھا؟ طلبہ کی تعداد کتنی تھی؟ بہت افسوس ہے کہ اس طرح کی بیشتر معلومات انتہائی محدود ہیں مسٹر ٹامسن وزیٹر کی اطلاع سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ غازی الدین کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی جبکہ مسٹر ایچ ٹیلر کی فراہم کردہ رپورٹ کے مطابق ۱۸۲۴ء میں مدرسہ غازی الدین میں صرف نو طالب علم تھے اور مولوی عبداللہ ان کو تعلیم دیتے تھے[12] کیا کیا تعلیم دیتے تھے یہ معلوم نہ ہوسکا بہرحال آگے چل کر اسی مدرسہ میں قدیم دہلی کالج کا افتتاح ۱۸۲۵ء میں ہوا۔

قدیم دہلی کالج کی اس قدیم عمارت یعنی مدرسہ غازی الدین حیدر کا نقشہ "مرقع مراۃ المملوک" میں بڑے اچھے انداز سے کھینچا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اجمیری دروازہ کے باہر مدرسہ نواب غازی الدین خاں نہایت نفیس ولطیف بنا ہوا ہے۔ یہ مدرسہ سب سنگ سرخ سے تعمیر کیا ہوا ہے۔ اس کے تین دروازے بہت کلاں اور نہایت خوبصورت ہیں۔ مرتبہ اول ہی میں جب کوئی ان دروازوں سے مدرسہ میں قدم رکھتا ہے اندر جا کر ایک صحن وسیع اور نہایت مرتفع واسطے آرام طلبہ کے بنے ہوئے ہیں اور ان حجروں کے سقف

Marfat.com

پر بھی حجرے متعدد ہیں اوران دونوں
جانبوں کے وسط حقیقی میں ایک ایک درہ
نہایت وسیع اور مرتفع ہے اوران دروں کی
چھت پر دالان سنگِ سرخ کا ہے اور یہ
ایک درے مابین حجروں کے اس طرح پر
ہیں کہ چند حجرے اس کے ایک جانب ہیں
اور چند حجرے باقی اس کی دوسری جانب
میں واقع ہوئے ہیں اور جانب مشرق میں
بھی جس طرف وہ تینوں دروازے
ہیں۔دروازوں کے دونوں جانب میں
چند حجرے ہیں۔انہیں حجروں کی طرح کے
اور غرب کی طرف ایک مسجد ہے۔بہت
بڑی اور نہایت خوبصورت سنگِ سرخ کی۔
اور فرش مسجد کا بھی سنگِ سرخ کا ہے اور
مسجد کے دونوں پہلو میں کچھ صحن چھوڑ کر
دالان کے پاس متصل مسجد کے ایک مجر
جالی دار سنگ بانسی کا ہے اور اس مجر میں
ایک مجر اور سنگِ مرمر کا جالی دار وہ جالیاں
ایسی خوبصورت ہیں کہ ان میں ایسی نازک
کاری ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا اس مجر میں
تین قبریں ہیں کہ تعویز اس کا سنگ مرمر کا
اور سامنے مجر کے دالان اور دالان بہت

Marfat.com

خوش وضع ہے اور صحن مدرسہ میں ایک حوض
بہت وسیع اور عمیق تھا''۱۳؎

مدرسہ کے بانی غازی الدین حیدر کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جنہوں نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے اتنی زبردست اور شاندار عمارت بنوا کر باشندگان دہلی کی تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی دکھائی یہی وجہ ہے کہ دہلی سے سیکڑوں میل دور احمد آباد میں انتقال ہونے کے باوجود ان کے جسد خاکی کو دہلی لاکر مدرسہ کی عظیم الشان تاریخی عمارت میں سپرد خاک کیا گیا ان کے بارے میں ذرا تفصیل سے خواجہ احمد فاروقی کی زبانی سنتے ہیں۔

''غازی الدین خاں اورنگ زیب عالمگیرؒ اور شاہ عالم بہادر شاہ اول کے زمانے کے بڑے نامور امراء میں سے تھے انہوں نے جودھپور کے راٹھور راجپوتوں کے خلاف لڑنے میں بڑا نام پیدا کیا تھا اور پیش گاہ سلطانی سے ''غازی الدین خاں'' کا خطاب ملا اور دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستیں بھی ان ہی کی بدولت سلطنت مغلیہ میں شامل ہوئی تھیں گولکنڈہ کی لڑائی میں بھی وہ پیش پیش تھے ابوالحسن تاناشاہ کو انہوں نے ہی گرفتار کیا تھا اورنگ زیب کی وفات کے بعد بہادر شاہ اول نے ان کو گجرات کا گورنر مقرر کیا اور وہیں احمد آباد

Marfat.com

میں انتقال کیا (۱۷۱۰ء) ان کے جنازہ کو
دہلی لایا گیا اور اجمیری دروازہ کے باہر
موجودہ دلی کالج کی عمارت میں جو خود
انہوں نے اپنی ہی حیات میں بنوائی تھی
آسودہ کیے گئے''[۱۴]

یہاں پر غازی الدین خان کے خاندان کا صحیح شجرہ نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو درج ذیل ہے۔

- شیخ شہاب الدین سہروردیؒ
  - عالم العلماء شیخ اسماعیل
    - شیخ بہاؤ الدین
    - قلیچ خان شیخ میر عابد
      - میر شہاب الدین غازی الدین خان اول بانی مدرسہ (متوفی ۱۷۱۰ء)
        - چین قلیچ خان نظام الملک آصف جاہ (متوفی ۱۷۴۸ء)
          - امیر الامراء غازی الدین خان
            - مظفر جنگ
              - فیروز جنگ ثانی (متوفی ۱۷۵۲ء)
                - عماد الملک
                - غازی الدین خاں ثالث
          - ناصر جنگ
          - علایت جنگ

Marfat.com

قدیم دہلی کالج کی ابتدا

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسٹر ٹیلر نے مدرسہ غازی الدین حیدر کی عمارت میں کالج قائم کرنے کی پر زور سفارش کی چنانچہ کمپنی اور کورٹ آف ڈائیرکٹرز نے مسٹر ٹیلر کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے مدرسہ کی اس تاریخی عمارت میں ۱۸۲۵ء کو باضابطہ طور پر کالج کو قائم کر دیا اور مجوزہ ایک لاکھ کی رقم میں سے پانچ سو روپے ماہانہ اس کالج کے لئے مقرر کر دیا مدرسہ کی عمارت چونکہ متعدد جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی لہذا اس کی مرمت کے لئے ''ٹاؤن اینڈ ڈیوٹی فنڈ'' سے ۱۱۵۷ روپیہ لیکر اس مد پر خرچ کئے گئے۔[۱۵]

چونکہ ۱۸۲۵ء میں اس مدرسہ نے باقاعدہ ایک کالج کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۸۲۹ء میں نواب اعتماد الدولہ (وزیر لکھنؤ) نے مدرسہ میں مشرقی علوم کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی رقم وقف کر دی۔ جس سے تمام شعبہ کو بہت مدد ملی۔ اس طرح مشرقی اور مغربی شعبوں کے منظم ہو جانے کے بعد مدرسے نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور ''دہلی کالج'' کے نام سے ملک کے گوشے گوشے میں مشہور ہوا۔

دہلی کالج کے پہلے پرنسپل مسٹر ٹیلر تھے جو ایک سو پچھتر روپے ماہوار پر مقرر کئے گئے[۱۶]۔ سو روپیہ ماہوار پر مولوی بشیر الدین خاں کا بحیثیت ہیڈ مولوی کے تقرر ہوا[۱۷]۔ مولانا مملوک علی نانوتوی اور مولانا سید محمد نائب مدرسین کی حیثیت سے پچاس پچاس روپیہ پر مقرر ہوئے[۱۸]۔ اس کے بعد مولوی سید سید الدین اور مولوی سبحان بخش کا تقرر ہوا ان کا مشاہرہ غالباً مولوی عبدالحق کے مطابق تیس اور پچیس روپیہ طے پایا کالج میں طلبہ کی کشش کے لئے وظائف بھی مقرر کئے گئے اور اس طرح ہندوستان کے تاریخی شہر دہلی میں ایک جدید طرز کا کالج قائم ہو گیا جو دہلی کی مناسبت سے ''دہلی کالج'' کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

Marfat.com

اردو زبان بحیثیت ذریعہ تعلیم

دہلی کالج کی سب سے بڑی خوبی یہ رہی کہ اخیر تک ذریعۂ تعلیم اردو کو رکھا گیا جبکہ اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا موضوع دہلی کے حکام اور کالج کے اربابِ حل وعقد کے درمیان بحث کا موضوع بنا رہا۔ دہلی کالج کے ابتدائی دور میں البتہ جدید نصاب کے نہ ہونے کی وجہ سے عربی، فارسی، فقہ، سنسکرت، مبادیات اقلیدس وغیرہ کی تعلیم کو جوں کا توں رکھا گیا اور جدید نصاب پر توجہ دی گئی اور مختلف موضوعات سے متعلق منتخب اور اعلیٰ پائے کی تصانیف کو اردو میں منتقل کر کے انہیں کالج کے نصاب میں داخل کیا گیا۔ ترجمے کا کام اردو میں اس سے پہلے بہت کم ہوا تھا۔ خصوصاً علمی مضامین لکھنے یا ترجمہ کرنے کی روایت تقریباً ناپید تھی۔ اس سلسلے میں دہلی کالج میں ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا تفصیل سے ذکر آئندہ باب میں کیا جائیگا۔

دہلی کالج میں اردو کو ذریعہ تعلیم کی زبان قرار دینے پر ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ طلبہ جی لگا کر اور محنت سے سائنسی اور سماجی علوم جیسے خشک موضوعات کو بھی پڑھتے تھے اور طلباء میں ذہنی بیداری، ملکی و عالمی حالات سے واقفیت میں اضافہ ہوا اسی لئے سی. ایف. اینڈریوز (C.F.Andrews) کا خیال ہے کہ -- بنگال میں ہندستانی نشاۃ ثانیہ نے اپنا پہلا اظہار زبان و ادب کے ذریعہ کیا جب کہ دہلی اور شمالی ہند میں دہلی کالج کی رہنمائی میں سائنس کی طرف توجہ کی گئی۔ 19

حالانکہ شروع کے سالوں میں کالج میں طلبہ کی تعداد زیادہ نہ تھی پھر بھی حصولِ علم کے شوق اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے ذوق نے طالب علموں کی ہمت افزائی کی اور انہوں نے اپنا مدعا حاصل کیا۔ سال کے آخر میں تقسیم انعامات کے موقعہ پر فارسی طلبہ کی خوش خطی کے نمونے اور وہ فارسی مضامین جن میں طلباء نے انعامات حاصل کئے تھے نمائش کی خاطر رکھے جاتے رفتہ رفتہ دہلی کالج کے چرچے

Marfat.com

دہلی کے گلی کوچوں میں ہونے لگی۔ بچوں کے والدین نے اس جانب توجہ مرکوز کی اور کالج میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ کالج کی سالانہ رپورٹوں میں امتحانات کے نتائج طلباء کے وظیفے اور اساتذہ کی کارکردگی حکام کو بھیجی جانے لگی۔ کالج کی روز افزوں ترقی سے مجلس تعلیم عامہ کے ارکان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور تین ہی سال کے قلیل عرصہ میں کالج نے اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی۔

انگریزی شعبہ کا قیام

۱۸۲۸ء میں برٹش ریذیڈنٹ کمشنر سر چارلس مٹکاف نے کالج کے اساتذہ کی جانفشانی اور طلباء کے ذوق و شوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مشورہ دیا کہ علوم مشرقی کے علاوہ انگریزی زبان کی تحصیل کا درس بھی دیا جانا چاہئے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے کل فنڈ کی تعلیمی بچت سے دو سو پچاس روپیہ ماہانہ مزید کالج کے لئے منظور کئے۔ لیکن اہل شہر میں اس اضافے سے بے چینی پھیل گئی۔ بقول مولوی عبدالحق صاحب:

> ''اس بدعت سے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی اور ہندو مسلمان دونوں نے اس کی مخالفت کی۔ دیندار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے کی ترکیب ہے''۲۰

لیکن یہ مخالفت زیادہ دنوں تک چل نہ سکی اور بھڑکتی ہوئی آگ پر بنگال کی طرح جلد ہی قابو پا لیا گیا اور طلباء کے والدین کو انگریزی سیکھنے پر آمادہ کر لیا طلباء کو انگریزی زبان کی تحصیل کی ترغیب دلانے کے لئے پندرہ وظیفے بھی مقرر کئے گئے۔ ۱۸۲۹ء میں اساتذہ اور طلباء کی ملی جلی ایسی جماعت بنائی گئی جو انگریزی سے شدید نفرت کے رجحان کو کم کرنے اور انگریزی سیکھنے کے لئے طلباء میں مزید جوش و خروش پیدا کرنے کا

Marfat.com

کام کرتی تھی۔اس جماعت نے بڑی گرم جوشی سے کام لیا۔اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ طلباء کو وظائف دیئے گئے کالج میں بڑھتی ہوئی طلباء کی تعداد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لائبریری کو وسیع کیا گیا۔

۱۸۵۷ءاور قدیم دہلی کالج

دہلی کالج بے موسم کی پیداوار نہ ہونے کے باوجود کالج موسم اور ماحول کی بھینٹ چڑھ گیا اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز حالات کا عتاب اس پر نازل ہوا چنانچہ کالج کے کتب خانہ، تجربہ گاہ کے قیمتی اثاثہ کو لوٹ لیا گیا مزید برآں عملہ کو زدوکوب کیا گیا اور پرنسپل ٹیلر جو کہ واقعی قابل ،نہایت ہمدرد اور شریف النفس تھے بے رحمی سے مار ڈالا گیا۔حالانکہ مولوی محمد باقرؒ نے انہیں پناہ بھی دے رکھی تھی۔مولوی عبدالحق اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''انہوں (محمد باقرؒ) نے ایک رات تو ٹیلر صاحب کو اپنے امام باڑے کے تہہ خانے میں رکھا۔لیکن دوسرے روز جب ان کے امام باڑے میں چھپنے کی خبر محلے میں عام ہوگئی تو مولوی صاحب نے ٹیلر صاحب کو ہندوستانی لباس پہنا کر چلتا کیا۔مگر ان کا بڑا افسوس ناک حشر ہوا۔غریب بیرام خاں کی کھڑکی کے قریب جب اس سج دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا اور اتنے لٹھ برسائے کے بیچارے نے وہیں دم توڑ دیا'' ۲۱

Marfat.com

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے فرو ہونے کے بعد بیچارے مولوی محمد باقر پر بھی آفت آئی اور ان کی بے گناہی کے باوجود سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اور محمد حسین آزاد بھی ایران میں مارے مارے پھرتے رہے۔ بالآخر معافی کے اعلان کے بعد واپس آئے۔ سب سے زیادہ نقصان کالج کے کتب خانہ کا ہوا۔ عبدالحق صاحب کا کہنا ہے:

"دن کے بارہ بجے کچھ دیر بعد کالج کا کتب خانہ لٹنا شروع ہوا لٹیرے بڑے بے ڈھب تھے۔ انگریزی کی تمام کتابوں کی خوبصورت سنہری فرموں کی جلدیں پھاڑ لیں اور ورقوں کا کالج کے تمام باغ میں دو دو انچ موٹا فرش بچھا دیا۔ عربی، فارسی، اردو کی جتنی کتابیں تھیں ان کی گٹھریاں باندھ باندھ کر اپنے گھر لے گئے اور پھر کباڑیوں اور مولویوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول فروخت کر دیں۔ سائنس ڈیپارٹمنٹ میں جتنے آلات تھے انہیں بھی توڑ پھوڑ ڈالا اور لوہا پیتل وغیرہ دھاتیں لے گئے" [۲۲]

قدیم دہلی کالج کا لاہور کالج میں انضمام

غدر کے بعد تقریباً سات سال تک کالج بند پڑا رہا اور اس کی جانب کسی نے توجہ مرکوز نہیں کی بالآخر خدا خدا کر کے مئی ۱۸۶۴ء میں کالج کھولا گیا اور پروفیسر ہٹن کی نگرانی میں اسے دے دیا گیا۔ اور کالج کو کشمیری دروازہ والی تاریخی عمارت سے

Marfat.com

چاندنی چوک میں دہلی انسٹی ٹیوٹ یا موجودہ ٹاؤن ہال اور میونسپل کمیٹی کے اس حصہ میں لایا گیا جہاں کسی وقت میں کمیٹی کا کتب خانہ تھا ۲۳ ہٹن (Hotton) کے بعد اڈمنڈ ولمٹ (Edmand Wilmot) نے کالج کی خدمات پرنسپل کی شکل میں انجام دیں۔ بہر حال کالج کسی طرح ۱۸۷۷ء تک چلتا رہا۔ اس کے بعد اس کو توڑ کر لاہور کالج میں ضم کر دیا۔ اور تمام اسٹاف وطلباء کو لاہور جانے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب رقم طراز ہیں:

> ''کالج ۱۸۷۷ء تک اچھا خاصا چل رہا تھا کہ نہ معلوم گورنمنٹ کے جی میں کیا آئی کہ اسے اپریل ۱۸۷۷ء میں توڑ دیا اور اس کا سارا اسٹاف لاہور کالج میں بھیج دیا یعنی اس کالج کو لاہور کالج میں ضم کر دیا۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر لائیٹز جو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور پنجاب گورنمنٹ میں بڑا رسوخ رکھتے تھے وہ گورنمنٹ کالج لاہور کو فروغ دینا چاہتے تھے لفٹننٹ گورنر کا بھی یہ منشا تھا کہ صوبے کی تمام اچھی چیزیں سمٹ کر مرکز حکومت یعنی لاہور میں آجائیں چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی اپنے عزیز کالج سے محروم ہو گئی اور سب اساتذہ اور طلباء لاہور چلے گئے'' ۲۴

۱۸۵۷ء کی بغاوت کا مرکز دہلی تھا جہاں انگریزوں کا جانی و مالی نقصان بڑے

Marfat.com

پیمانے پر ہوا تھا جب کہ اس کے برعکس پنجاب وہ صوبہ تھا جس نے انگریزوں کی کمک کے ذریعہ بروقت مدد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ دہلی انگریزوں کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا یہی وجہ ہے کہ دہلی کو انہوں نے ہر اعتبار سے کمزور کرنے کی ٹھان لی چنانچہ دہلی کالج کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا اور بلا کسی وجہ کے جلد ہی کالج کو ختم کر کے لاہور کالج کے زیر اثر اسے لے آئے اور نصف صدی تک اتنی زبردست خدمات انجام دینے کے بعد کالج نے دم توڑ ہی دیا لہٰذا مولوی عبدالحق کالج کو مرحوم کے لقب سے یاد کرنے پر مجبور ہوئے۔

لاہور اورینٹل کالج میں دہلی کالج کے انضمام کے واقعہ نے دہلی کے لوگوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا چنانچہ چند سر برآوردہ لوگوں کی کوششوں سے ایک اسکول عربک مڈل اسکول نام سے چاندنی محل میں قائم کیا گیا۔۱۸۸۴ء میں یہ اسکول ترقی کر کے ہائی اسکول بن گیا اور سرکی والان میں حویلی اکرام اللہ خاں میں منتقل ہوگیا اس اسکول میں مولانا حالی فارسی کے استاذ تھے۔۱۸۹۳ء میں یہ اسکول مدرسہ غازی الدین میں آ گیا حیدرآباد کے نظام نے ۱۹۱۷ء میں مدرسہ کے جنوب میں ایک ہال اور ۱۹۲۴ء میں دروازے پر کمرے بنوائے ۱۹۲۹ء یہ کالج ڈگری کالج ہوگیا ایک صدی کے بعد پھر ۱۹۴۷ء کے فسادات نے کالج کو بند کر دیا لیکن مارچ ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور سر ماریس گائر کی مدد سے کالج دہلی کالج کے نام سے دوبارہ شروع ہوا اور اب یہ ذاکر حسین کالج کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

قدیم دہلی کالج کی خصوصیات

دہلی کالج اپنے تمام تعلیمی عہد میں مکمل طور پر کامیاب نظر آتا ہے اس کا سب سے اہم مقصد اردو زبان کو تمام علوم کا ذریعہ تعلیم بنانا تھا۔ چنانچہ تراجم کے شعبوں کے مترجمین اور اساتذہ کی لگن اور محنت نے اردو زبان کو ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور یہ ثابت کیا کہ اردو تمام علوم کے بوجھ کو اٹھانے کی متحمل ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

ابتداء میں دہلی کالج کا مقصد دیگر مدارس کی طرح خصوصیت سے عربی زبان اور اسلامی قانون کو سکھانا تھا۔ کیونکہ اس طرح کی تعلیم سے فیضیاب لوگوں کی برطانوی عدالتوں میں بڑی کھپت تھی۔

آگے چل کر دہلی کالج کا مقصد اردو کے ذریعہ یوروپی علوم سے روشناس کرانا ہو گیا تھا، خواجہ احمد فاروقی صاحب کا خیال ہے:

> ''انیسویں صدی کا یہ علمی ادارہ خلا کی پیداوار نہیں ہے اس وقت فرانس میں انقلاب ہو چکا تھا اور بنگال اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت انگلستان کے صنعتی انقلاب میں جان پڑگئی اس کی حیثیت ادبی ہے لیکن دہلی میں اس کی حیثیت سائنسی ہے۔ اس پرانے شہر میں جو قدیم تہذیب کا علامتی مرکز تھا مغربی تمدن کی برکتوں کا یہ احساس کبھی بھی اتنی جلد نہ پیدا ہوتا اگر دہلی کالج کی نامور شخصیتیں اس کے لئے شعوری کوشش نہ کرتیں اور وہ اپنی تصانیف کے ذریعہ ان خیالات کی باقاعدہ اشاعت نہ کرتیں'' ۲۵

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی میں جبکہ ہمارا سیاسی زوال تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ معاشرت اور تہذیب کے رشتے اتنے مضبوط تھے کہ دہلی کالج کے غیر مذہبی ادارہ میں رام چندر اور ذکاء اللہ، پیارے لال آشوب، محمد حسین آزاد اور مولوی عبدالکریم وغیرہ سب ایک ہی طرح سوچتے اور ایک ہی طرح لکھتے

Marfat.com

تھے۔دلی کالج کی یہ خصوصیت نئے ہندوستان کے رجحانات سے ہم آہنگ ہے۔

دلی کالج کا سائنسی نقطۂ نظر سے سوچنے اور سمجھنے کا یہی وہ اہم مقصد تھا جس نے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا۔ہم دیکھتے ہیں کہ اردو ادب میں دہلی کالج سے پہلے زیادہ تر حصہ داستانوں اور قصہ کہانیوں پر مشتمل تھا۔ مذہبی موضوعات پر بھی لکھا جاتا تھا۔لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔دہلی کالج نے متنوع علمی مضامین کے ایک بیش بہا ذخیرے کا اضافہ کیا۔یہی نہیں اس نے اردو داں حلقے کو یوروپی ادب اور فلسفے سے روشناس کرایا ۔کوئی بھی ادارہ جب با مقصد ہو اور اس سے وابستہ شخصیتیں اولوالعزم ہوں تو وہ یقیناً تحریک کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔چنانچہ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا خیال ہے:

''اگر مخصوص خیالات کی تبلیغ کے لئے
منظم اجتماعی عمل کو''تحریک'' کہا جا سکتا ہے
تو دہلی کالج اور اس کے زیر اثر جاری
ہونے والی سرگرمیوں کو تحریک سے تعبیر کرنا
غلط نہ ہوگا''۲۶

آخر میں دہلی کالج کے اس مقصد کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس نے کالج کے زیر اثر حلقہ کو وہ انداز فکر دیا جس نے برطانوی حکومت اور بے بس عوام کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ان کا نقطۂ نظر تھا کہ انگریزوں کی غلامی کو تو نہیں البتہ مغربی تہذیب کے کچھ عناصر کو قبول کرلیا جائے۔جس کے لئے انہوں نے تعلیمی اداروں ،علمی محفلوں اور تبلیغ واشاعت کے تمام نئے وسیلوں کو استعمال کیا۔ان کی کوششوں کا اطمنان بخش نتیجہ بھی برآمد ہوا۔چنانچہ علمی وادبی سرگرمیاں بڑھنے لگیں ۔ نئے تقاضوں اور ضرورتوں کا ادراک ہونے لگا ،قدیم وجدید عقائد ونظریات پر مفصل بحث ہونے لگی۔لہٰذا وہ لوگ جنھوں نے قدیم طرز پر تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔کسی نہ کسی طور پر رجحانات سے متاثر ہونے لگے تھے۔مثال کے طور پر غالبؔ کے یہاں جو مغرب کی خیر وبرکت کا

Marfat.com

احساس اور انگریزوں کے علم و آئین کی تعریف ملتی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ البتہ غالب نے دہلی کالج کی ملازمت کو قبول نہیں کیا جس میں ان کی وضع داری کو دخل تھا۔ لیکن کالج کے حلقے سے ان کے بہتر مراسم تھے۔ آگے چل کر سرسید کو جو زبردست اصلاحی پروگرام نظر آیا تھا اس کی فضا بھی دہلی کالج نے ہی ہموار کی۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج سے سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی تک عشق کی ایک جست نہیں ہے بلکہ دہلی کالج اس کی درمیانی منزل ہے۔[۲۷]

الغرض! ۱۸۵۷ء کے بعد ہندستان کی نشاۃ ثانیہ اور خصوصاً مسلم قوم میں بیداری، اصلاحی پروگرام اور مختلف تحریکات نے جو کام انجام دیا اس راستے کا تعین دہلی کالج نے ہی کیا۔ خواہ سیاسی ہو کہ سماجی، ادبی وثقافتی ہو کہ تعلیمی، سائنسی نقطۂ نظر ہو کہ حقیقت پسندی تمام کا منبع اور سرچشمہ دہلی کالج ہی ہے۔ نصف صدی کے عرصے میں دہلی کالج کا جو مقصد تھا وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہا اور صدیوں کے راستے کا تعین اس نے کر دیا کالج کے تمام اساتذہ اور ہر طالب علم اپنے آپ میں ایک اکیڈمی، ایک نظریہ اور تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے لوگوں نے رہنمائی حاصل کی اور آج بھی اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آئندہ باب میں تعلیم وادب پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ان کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔

Marfat.com

حواشی

۱. N.N. Law, *Promotion of learning*, p.66

۲. عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندستانی تمدن کی تاریخ، ص ۱۶۹۔

۳. ایضاً ایضاً ص ۱۷۰۔

۴. Spear Percival
Twilight of the Mughals:
Studies in late Mughal Delhi
(London: Cambridge Unversity Press, 1951),p.82

۵. عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندستانی تمدن کی تاریخ، ص ۱۰۸۔

۶. Spear, Percival, Twilight of the Mughals:
Studies in late Mughal Delhi
(London: Cambridge Unversity Press, 1951),p.64-65.

۷. B.L.Grover, *History Of Modern India*
(Delhi:S&Chand Company, 1988)

۸. A.J. Richard
History of Mission in India, P.149

۹. W.H.Sharp
Selection from Education Records, P. 22

۱۰. مولوی عبدالحق، مرحوم دلی کالج
(نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۵ء) ص ۴

۱۱. ایضاً " " ص ۴-۵

۱۲. ایضاً " " ص ۳

۱۳. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی، ۱۹۶۱ء) ص ۱،۲
مرقع مراۃ لمسلوک بحوالہ مقدمہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، ماسٹر رام چندر، ۱۹۶۱ء، ص ۱-۲۔

Marfat.com

۱۴. گوپی چند نارنگ، دہلی کالج کے چند پرنسپل:
(دہلی کالج اردو میگزین قدیم دہلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی) ص ۱۰۵

۱۵. ایضاً ” ” شذرات، خواجہ احمد فاروقی، ص ۱۶-۱۵

۱۶. خواجہ احمد فاروقی، قدیم دہلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء، ص ۲۵.

۱۷. مولوی بشیر الدین، واقعات دارالحکومت جلد دوم، ص ۴۰۹

۱۸. ایوب قادری، مولانا احسن نانوتوی
(کراچی: روہیلکھنڈ سوسائٹی ۱۹۶۶ء) ص ۱۷۳.

۱۹. سی. ایف. اینڈریوز، ذکاء اللہ آف دہلی، ص ۴۲.

۲۰. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۵ء) ص ۱۷.

۲۱. ایضاً ” ص ۱۷

۲۲. ایضاً ” ” ” ص ۷۲-۷۱

۲۳. مالک رام، قدیم دلی کالج
(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۷۵ء) ص ۵۸.

۲۴. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۵ء) ص ۸۲-۸۱.

۲۵. خواجہ احمد فاروقی، شذرات، قدیم دہلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء، ص ۱۹

۲۶. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی، اگست ۱۹۶۱ء) ص ۲۴.

۲۷. خواجہ احمد فاروقی، مقدمہ ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۹۶۱ء) اگست، ص ۲۶.

Marfat.com

باب سوم

Marfat.com

Marfat.com

قدیم دہلی کالج سے وابستہ افراد اوران کی خدمات

اردو زبان میں تعلیم کا کامیاب تجربہ

پچھلے باب میں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۷۹۲ء میں قائم مدرسہ غازی الدین حیدر سے کالج میں تبدیلی کا عمل ۱۸۲۵ء میں ہوا اور ۱۸۲۸ء میں سر چارلس مٹکاف برطانوی ریذیڈنٹ کمشنر کی سفارش پر کالج میں شعبۂ انگریزی کا اضافہ ہوا۔اس سے ہندوستانی لوگوں ،خواہ ہندو ہوں کہ مسلمان ،زبردست ہیجان بر پا ہوگیا۔کیونکہ اس وقت عیسائی مشنری بھی سرگرم عمل تھے اور یہ خدشہ بیدار ہوا کہ اس تعلیم کو مذہب سے بیگانہ کرنے اور عیسائیت کی تبلیغ کے لئے فروغ دینا چاہتے ہیں۔یہی وجہ کہ ہے مسلمان طلباء کی تعداد انگریزی شعبے میں ہمیشہ کم رہی۔

بہر حال اس کالج کی سب سے بڑی یہ خوبی رہی کہ تمام شعبوں منجملہ مغربی سائنس، ہیئت، ریاضی اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم بھی اردو میں دی جاتی تھی۔ مادری زبان میں تعلیم دینے کا یہ کامیاب تجربہ تھا۔ برطانوی حکومت نے ایک تجویز میں لکھا ہے جو ۱۸۵۴ء کی تعلیمی رپورٹ سے متعلق ہے کہ:

> ''اردو کے ذریعہ دہلی کالج میں جو
> سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی مسٹر
> مواٹ نے بہت تعریف کی ہے''[1]

دہلی کالج سے قبل فورٹ ولیم کالج نے بھی ادبی خدمات انجام دیں۔اس کے مصنفین نے مشکل عبارت آرائی کے بجائے سادہ بے تکلف عبارت کی طرح ڈالی۔

Marfat.com

لیکن دونوں کالجوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج نو وارد انگریز افسران کو اردو پڑھانے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔اس لئے اس کے اثرات طرز ادا واسلوب کی حد تک ہی قائم رہے۔اس کے مخاطب ہندوستانی نہیں بلکہ انگریز تھے۔جبکہ دہلی کالج ہندوستانیوں کی ترقی کے لئے قائم کیا گیا تھا۔اس کا اصل مقصد یہاں کے لوگوں کو اردو کے ذریعہ یورپی علوم سے روشناس کرانا تھا۔اس طرح ایک نئی فضا اور مختلف جہات پیدا کرنے میں دہلی کالج کا بڑا حصہ ہے۔

شخصیت سازی

تعلیم اور تمدن لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہندستانی تمدن کی بنیاد ہی فکر وخیال کی مفاہمت اور یگانگت پر قائم ہے۔چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہندستان میں مختلف رنگ ونسل اور مذہب والوں نے سلطنتیں اور حکومتیں قائم کیں لیکن ہر دور اور ہر صدی میں مفاہمت کی بنیاد مضبوط رہی۔یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی میں جبکہ سیاسی زوال عروج پر تھا دلی کالج میں اس کے تمام رفقاء اساتذہ اور طلباء ایک ہی طرح سوچتے اور لکھتے تھے۔اس طرح ذہن کی تربیت، تمدن سے ہوتی ہے اور تعلیم وادب کی بڑی بڑی شخصیتیں زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

کالج کی ایسی ہی شخصیتوں میں جنھوں نے علم وادب کے میدان میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ان میں مسٹر ٹیلر، ڈاکٹر اشپرنگر، مسٹر کارگل ،مسٹر بوترو، ماسٹر رام چندر، پیارے لال آشوب، منشی ذکاؤاللہ، مولوی مملوک علی، امام بخش صہبائی، محمد حسین آزاد، شیونرائن آرام، مولوی کریم الدین پانی پتی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ضیاء الدین اور کالج سے بیرونی طور پر تعلق رکھنے والوں میں، مرزا غالب، الطاف حسین حالی اور مفتی صدرالدین آزردہ قابل ذکر ہیں۔ان تمام لوگوں نے ادب، صحافت ،تاریخ

Marfat.com

،طبیعات، کیمیا، ہیئت، ریاضی، جغرافیہ، سیاست، فلسفہ واخلاق ،قواعد،لغت سازی، تذکرہ وترجمہ، ناول نگاری، ادب نسواں، مقالہ نگاری اور مکتوب نویسی میں زبردست خدمات انجام دیں۔

دہلی کالج سے قبل اردو زبان مغربی فلسفہ وعلم سے قطعاً نا آشنا تھی۔اسی نے مغربی علوم سے متعارف کرایا جس کے نتیجے میں مغربی ادبیات سے استفادہ کا ذوق وشوق پیدا ہونے لگا۔اردو زبان کے اسالیب،اصناف، الفاظ واصطلاحات میں اضافہ ہوا۔اسی دور میں اردو میں مضمون نگای پر پہلی بار توجہ دی گئی جس میں ماسٹر رام چندر پیش پیش تھے۔ساتھ ہی قدیم دہلی کالج نے ادب کی مقصدیت اور افادیت پر بھی زور دیا۔

کالج سے وابستہ افراد اوران کی انفرادیت

قدیم دہلی کالج ایک ایسا ادارہ تھا جس نے تاریخ ساز افراد کو تیار کرکے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلایا جنہوں نے علمی، ادبی، فکری، صحافتی، سیاسی، سماجی، اصلاحی اور انتظامی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ یہ خدمات اتنی روشن اور ایسی گراں قدر ہیں کہ بعد میں اٹھنے والی اکثر تحریکات اور نمایاں شخصیات ان سے بالواسطہ یابلاواسطہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ایسے ہی افراد اوران کی خدمات کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

Marfat.com

مسٹر جوزف ہنری ٹیلر

مسٹر ٹیلر کا ذکر سب سے پہلے کرنا اس لئے اہم ہے کہ قدیم دہلی کالج کے اول پرنسپل یہی تھے قدیم دہلی کالج ہی نہیں بلکہ دہلی شہر سے ہی ان کا قدیم تعلق تھا۔ ۱۸۲۴ء میں دلی کے عوام کی تعلیمی صورت حال اور اس کے امکانات کی تحقیق کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سکریٹری مسٹر ٹیلر مقرر کئے گئے انہوں نے بڑی محنت سے تحقیق کر کے رپورٹ تیار کی جس میں کہا گیا کہ دہلی میں تعلیمی حالت انتہائی ابتر ہے پرانے مدرسے بے توجہی کے شکار ہیں بہت سارے مدارس مالی اعانت کے محتاج ہیں معاشی حالت اتنی خراب ہے کہ معزز خاندان کے بچے بھی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

غازی الدین خاں کے مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ٹیلر نے لکھا ہے کہ یہ مدرسہ غفلت کا شکار ہے مولوی عبداللہ بچوں کو پڑھاتے ہیں اور طلبہ کی کل تعداد نو ہے مسٹر ٹیلر کی اس رپورٹ کو کمپنی اور کورٹ آف ڈائرکٹرز نے منظور کیا نیز مدرسہ غازی الدین کی مرمت کرا کے اس میں اگلے برس دہلی کالج کھولدیا گیا مسٹر ٹیلر ایک سو پچھتر روپے ماہانہ پر اس کے سپرڈینڈنٹ اور سکریٹری مقرر ہوئے ۱۸۳۶ء میں انہیں کالج کا پہلا پرنسپل بنایا گیا ۱۸۴۱ء میں مسٹر بترو کے پرنسپل بننے تک وہ اس عہدہ پر قائم رہے ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۰ء کے درمیانی عرصہ میں ڈاکٹر اشپرنگر کی عدم موجودگی میں دوبارہ انہوں نے پرنسپل کے عہدہ کو سنبھالا، ۱۸۵۴ء میں ایک دفعہ پھر انہیں پرنسپل بنایا گیا اور ۱۸۵۷ء میں اپنی وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۲

۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کی زد میں بیچارے مسٹر ٹیلر بھی آ گئے اور انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا دہلی کالج کے حق میں ان کی موت ایک ناقابل تلافی نقصان تھا مولوی عبدالحق نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"مولوی محمد باقر سے ان کی (مسٹر ٹیلر

Marfat.com

کی) بڑی گاڑھی چھنتی تھی انہوں نے ایک
رات تو ٹیلر صاحب کو اپنے امام باڑے
کے تہ خانے میں رکھا لیکن دوسرے روز
جب ان کے امام باڑے میں چھپنے کی خبر
محلّہ میں عام ہوگئی تو مولوی صاحب نے
ٹیلر صاحب کو ہندوستانی لباس پہنا کر
چلتا کیا مگر ان کا بڑا افسوس ناک حشر ہوا
غریب بیرام خاں کی کھڑکی کے قریب اس
سج دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا اور
اتنے لٹھ برسائے کہ بے چارے نے وہیں
دم دے دیا۔ بعد میں مولوی باقر صاحب
اس جرم کی پاداش میں سولی پر چڑھائے
گئے اور ان کا کوئی عذر نہ چلا'' ۳؎

مسٹر ٹیلر کا ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۷ء تک دہلی کالج سے کسی نہ کسی طرح تعلق رہا اس طرح ۳۴ برس لگاتار انہوں نے دہلی کالج کی خدمت کی اور اخیر میں انہوں نے اپنی جان بھی قربان کردی مسٹر ٹیلر کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ طلبہ پر بڑی شفقت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب میری اولاد ہیں اور ان سے بہتر اولاد نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ سب صاحب لیاقت نیک سیرت اور نیک اطوار ہیں ان کے اخلاص کا طلبہ پر گہرا اثر تھا۔

مسٹر فلیکس بترو (Flex Boutros)

کالج کے اول پرنسپل مسٹر جے۔ ایچ ٹیلر کے بعد ۱۸۴۱ء میں مسٹر بترو کو کالج کا

Marfat.com

دوسرا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ مسٹر بترو کا تعلق فرانس سے تھا کم عمری ہی میں وہ اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے پاس ہندوستان ۱۸۲۴ء میں آگئے یہاں آکر انہوں نے ہندوستانی (اردو) زبان پر تحریری اور تقریری دونوں اعتبار سے مکمل قدرت حاصل کرلی اسی بناء پر انہیں ۱۸۴۰ء میں حکومت کی جانب سے دہلی کے دیسی کالجوں کی صدارت تفویض ہوئی۔

۱۸۴۱ء میں وہ ایک کمیشن کے سکریٹری بنائے گئے جس کے پیش نظر یہ کام تھا کہ ہندوستانی طلبہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جس کے ذریعہ مادری زبان میں (خصوصاً ہندوستانی زبان میں) تعلیم دی جا سکے اس لئے کہ اس زمانہ تک اعلی تعلیم فارسی میں اور بعض مدارس میں عربی یا سنسکرت کے توسط سے دی جاتی تھی۔

۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۵ء تک اس کمیشن نے ۳۰ اعلی درجہ کی کتابیں لکھوائیں یہ کتابیں مختلف موضوعات پر لکھی گئیں جن میں مسٹر بترو کی تین تصانیف قانون، مالیات اور حقوق پر مشتمل ہیں۔ آگے چل کر ۱۸۴۳ء میں مسٹر بترو نے تراجم کا شعبہ ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' نام سے قائم کیا اس کا قیام مسٹر بترو کی زندگی اور ان کی خدمات کا سب سے زرّیں کارنامہ ہے کیونکہ دہلی کالج کی شناخت اور اس کی انفرادیت ہی اس سوسائٹی سے ہے اس کی خدمات کا ذکر آگے آرہا ہے ۱۸۴۵ء میں صحت خراب ہونے کی بنا پر مسٹر بترو اپنے وطن فرانس لوٹ گئے اور کچھ عرصہ بعد وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ۴

ڈاکٹر الواس اشپرنگر

کالج کی ایک مشہور اور اہم شخصیت ڈاکٹر اشپرنگر کی ہے جن کا تعلق جرمنی سے تھا۔ یہ کالج کے کامیاب پرنسپل رہے۔ عربی زبان و ادب کے زبردست عالم اور

Marfat.com

اسلامیات کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔اس وقت تک یورپی لوگوں میں اسلامی علوم کا اتنا بڑا عالم کوئی شاید ہی رہا ہو۔انھوں نے عربی ادبیات اور تاریخ کو دہلی کالج کے نصاب میں داخل کیا۵۔جن میں 'حماسہ' اور 'متنبّی' قابل ذکر ہیں ۶۔''تاریخ یمنی کو ایڈٹ کیا۔صحیح بخاری اور بہار عجم کی اشاعت اور آثار الصنادید کی تالیف انہیں کی تحریک پر ہوئی ۷۔ ''قران السعدین'' نام سے کالج کا مجلّہ جاری کیا۸۔

ڈاکٹر اشپرنگر کا سب سے اہم کارنامہ ''شاہان اودھ'' کے کتب خانے میں ہندستانی کتب کی فہرست'' تیار کرنا ہے کم وبیش دس ہزار قلمی نسخوں کا مطالعہ کر کے انہوں نے ایک فہرست ترتیب دی۔جس میں ہر کتاب اور اس کے مصنف کا مختصر حال لکھا تھا۔ہ فارسی اور اردو نظم ونثر سے متعلق ہے۔جس میں اردو ہی کے چودہ سو شاعروں کا ذکر ہے۔یہ فہرست لارڈ ہارڈنگ کی ایما پر ۱۸۴۷ء میں تیار کرنی شروع کی جس میں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا۔۹

ڈاکٹر اشپرنگر کی ایک تصنیف ''لائف آف محمدؐ'' ہے۔یہ کتاب کسی بھی یورپین مصنف کے ذریعہ اب تک لکھی گئی سیرت کی کتابوں میں ممتاز اور نمایاں درجہ رکھتی ہے۔کیونکہ ڈاکٹر اشپرنگر نے براہِ راست مآخذ کا مطالعہ کیا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ سیرت کے دیگر مغربی مصنّفین کے یہاں جو تنگ نظری اور لغزشیں پائی جاتی ہیں اس سے ڈاکٹر اشپرنگر مبرّا ہیں۔

نصاب کی اصلاح

ڈاکٹر اشپرنگر کو ۱۸۴۵ء میں کالج کا پرنسپل بنایا گیا اس سے قبل وہ بنگال ملٹری سروس میں اسسٹنٹ سرجن تھے ۱۸۴۷ء میں نوابان اودھ کے کتب خانے کی فہرست تیار کرنے کے لئے انہیں بھیجا گیا۔۱۸۵۰ء میں واپسی پر انہیں دہلی کالج کا دوبارہ پرنسپل مقرر کیا گیا لیکن چند ماہ بعد انہیں کلکتہ مدرسہ کا پرنسپل مقرر کیا گیا یہاں آتے ہی

Marfat.com

انہوں نے مدرسہ کے انتظام اور نصاب میں تبدیلیاں کرنا شروع کیں مدرسہ میں تعلیم کی زبان عربی تھی اشپرنگر نے ہندوستانی (اردو) زبان میں تعلیم دینے پر زور دیا کمیٹی نے اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے ہندوستانی کے حق میں فیصلہ کیا۔ کلکتہ میں اپنے قیام کے دوران اشپرنگر نے "بنگال ایشیاٹک سوسائٹی" کے رسالے اور یورپ کے علمی رسالوں میں بہت سے مقالے اسلامی علوم پر شائع کیے۔

اشپرنگر جس وقت دہلی کالج کے پرنسپل بنائے گئے اس وقت دہلی کالج کی نوعیت پرانے مدرسوں اور نئے کالجوں دونوں سے جدا تھی پرنسپل یورپین ہوتا تھا جو مشرقی علوم اور اس کے اصولوں سے ناواقف ہوتا تھا اس کے برعکس اساتذہ جو اکثر ہندوستانی تھے مغربی خیالات اور طرز فکر سے اتفاق نہیں رکھتے تھے ان حالات میں اشپرنگر کا کالج میں پہنچنا اس کے حق میں بے انتہا مفید ثابت ہوا کیونکہ اشپرنگر مشرقی اور اسلامی علوم و عربی اور اردو زبان کا زبردست اسکالر تھا چنانچہ اس نے مشرق کو مغرب اور مغرب کو مشرق سے قریب لانے اور روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا اس کا بہترین مرکز دہلی کالج تھا۔ دہلی کالج کو ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی۔

اشپرنگر نے دہلی کالج کے نصاب میں اصلاح و اضافہ کا کام بھی کیا مثلاً عربی ادبیات، تاریخ اور محاضرات وغیرہ کو جن کی طرف پرانے مدرسوں میں زیادہ توجہ نہیں کی جاتی تھی ان کو نصاب میں بہت اہم جگہ دی۔ جو کتابیں بہت ضروری اور نایاب تھیں ان کو مہیا کرایا اور بعض کا ترجمہ اردو میں کرایا، مشرقی علوم کے ساتھ مغربی علوم کو بھی نصاب میں جگہ دی۔ طرز تعلیم کی اصلاح میں ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے پرانا ڈھنگ بہت کچھ بدل گیا اور طلبہ کے شوق طلب میں ترقی ہوئی۔ ١٠ فارسی جماعتوں کی تعلیم کے ناقص ہونے کی بہت شکایت تھی اشپرنگر نے اس کا سبب بہت جلد معلوم کرلیا کہ متاخرین کی پیروی کے باعث فارسی انشا پردازی کا دائرہ بہت تنگ ہوگیا تھا اور استاذ و شاگرد دونوں کی دلچسپی صرف پُرتکلف، مسجع اور مقفیٰ عبارت آرائی

Marfat.com

استعارہ وتشبیہ کی فکر اور صنائع وبدائع کی تلاش میں مضمر تھی جس کی بنا پر اصل موضوع اور مقصد گویا ہاتھ سے جاتا رہا ترجمہ بھی کرتے تو سراسر لفظی اور بے ڈھنگا اس کی اصلاح اشپرنگر نے مغربی علوم کے اضافہ سے کی جس سے طلبہ کی معلومات میں وسعت اور مختلف وگوناگوں مسائل پر غور کرنے اور مطالب کو سادہ زبان میں ادا کرنے کا انہیں شوق پیدا ہونے لگا۔

۱۸۴۵ء میں اشپرنگر نے دہلی میں ایک باتصویر رسالہ کی بنیاد ڈالی اس کا نام 'قران السعدین' تھا اس رسالہ کے ذریعہ مشرق ومغرب کو قریب لانے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی گئی یہ اپنے نوعیت کی پہلی کوشش تھی ایک دہے کے اندر اندر اس کی تقلید میں اس طرح کے بارہ سے زیادہ رسالے نکلنے لگے۔ [۱۱]

ڈاکٹر اشپرنگر ۱۸۵۷ء میں سبکدوش ہوکر ہندوستان سے یورپ لوٹ گئے وہاں برن (سویٹزلینڈ) یونیورسٹی پھر ہائیڈلبرگ (جرمنی) یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ۱۸۹۳ء میں ہائیڈلبرگ میں ہی اسّی سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال کیا۔ ہندوستان سے لوٹتے ہوئے ڈاکٹر اشپرنگر مشرقی کتابوں کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر کے اپنے ساتھ لے گئے جواب تک 'اشپرنگری ذخیرۂ مشرقیات' کے نام سے برلن کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے جس کی نسبت غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کوئی ایک شخص ایسا مکمل اور مدون ذخیرہ مشرق سے اب تک مغرب میں نہ لایا ہوگا۔

مولوی مملوک علی نانوتوی

مولوی مملوک علی نانوتوی مشرقی شعبہ کے صدر اور زبردست عالم تھے، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ حدیث، فقہ، علم ہندسہ اور اقلیدس کے عالم تھے۔ تذکرہ کی کتابوں میں آپ کا ذکر بڑی اہمیت سے کیا گیا ہے۔ آپ کی تعلیم دہلی میں ہوئی اساتذہ میں مولانا رشید الدین خاں دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث

Marfat.com

دہلوی اور مولوی قلندر بخش کے نام قابل ذکر ہے۔ آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد ہے جنہوں نے ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مولانا کی بے پناہ علمی استعداد اور تدریسی صلاحیت پر سب کا اتفاق ہے۔ سرسید مرحوم نے ''آثار الصنادید'' میں ان کا ذکر بڑی عظمت سے کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''علم معقول و منقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان تمام کتب سے گنجینۂ علم خالی ہو جائے تو ان کی لوح حافظہ سے پھر ان کی نقل ممکن ہے۔ ان سب کمال و فضیلت پر خلق و حلم احاطہ تحریر سے فزوں تر ہے۔'' ۱۲

مولوی کریم الدین پانی پتی رقم طراز ہیں۔

''نیا مدرسۂ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے۔ فارسی، اردو اور عربی تینوں زبانوں میں کمال رکھتے ہیں ہر ایک علم اور فن سے جو ان زبانوں میں ہیں مہارت تامہ ان کو حاصل ہے اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگریزی سے ترجمہ ہوتی ہے اس کے اصل اصول سے بہت جلد ان کا ذہن چسپاں ہو جاتا ہے گویا اس فن کو اول ہی سے جانتے ہیں اور جس کام پر مامور ہیں اس میں کبھی کسی طرح کا حتی الوسع ان سے قصور نہیں ہوا۔ مدرسہ میں

Marfat.com

ان کی ذات بابرکات سے اتنا فیض
ہوا ہے کہ شاید کسی زمانے میں کسی استاد
سے ایسا ہوا ہو۔'' [۱۳]

دہلی کالج میں رہتے ہوئے مولوی مملوک علی سیاسی نقطہ نگاہ سے ولی اللہی تحریک کی ترجمانی کر رہے تھے چنانچہ دہلی کالج کے ملازم ہونے کے باوجود انگریز دشمنی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے انگریز دشمنی کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ ان کی جانب منسوب کیا ہے جس کا ذکر آئندہ باب میں آ رہا ہے۔ اسی مقصد کے تحت مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے طلبا کی تربیت کی اور انہیں اس تحریک کی فکری قیادت سنبھالنے کے قابل بنا دیا۔ بالآخر مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند قائم کر کے اس فکری زاویہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہوگا کہ تحریک دیوبند کا منبع بھی دہلی کالج ہی ہے۔

امام بخش صہبائی

مشرقی شعبہ کے دوسرے بڑے استاد امام بخش صہبائی ہیں جو فارسی کے صدر مدرس تھے۔ ان کے علم وفضل کی تعریف متعدد حضرات نے کی ہے۔ گارساں دتاسی کا کہنا ہے کہ یہ قابل مصنف دہلی میں سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں [۱۴]۔ پروفیسر حامد حسین قادری رقم طراز ہیں:

''امام بخش صہبائی .... فارسی کے
بڑے عالم ومحقق تھے فارسی کی بعض ادق
کتب درسیہ...... کی شرحیں بڑی تحقیق کے
ساتھ فارسی میں لکھی ہیں'' [۱۵]

مرزا فرحت اللہ بیگ ''دلی کی آخری شمع'' میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''مولانا صہبائیؒ.........کی علمیت کا
ڈنکا تمام ہندستان میں بج رہا ہے۔ایسے
جامع الکمالات آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں
،ہزاروں شاگرد ہیں جو اکثر ریختہ کہتے
ہیں اور یہ ان کی اصلاح دیتے ہیں۔مگر خود
ان کا کلام تمام وکمال فارسی ہے''۱۶

صہبائیؒ کے مفتی صدرالدین آزردہؒ،شیفتہ اور غالبؒ سے گہرے تعلقات تھے ان کی کتابوں میں ترجمہ ''حدائق البلاغت''،''اردو صرف نحو'' اور شعرائے اردو کا تذکرہ'' بہت مشہور ہیں۔صہبائیؒ کا انجام بڑا دردناک رہا۔۱۸۵۷ء کی قیامت خیز بلا میں بلاقصور امام بخش صہبائیؒ کو انگریزوں نے گولیوں کا نشانہ بنایا اور شہید کر دیا۔مفتی صدرالدین آزردہ ان کی شہادت کی خبر سن کر تڑپ گئے اور کہا:

کیونکہ آزردہؒ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائیؒ ہو

اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

وہ صہبائیؒ جو تھے صاحب قول فیصل
ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر وپسر

ماسٹر رام چندر

قدیم دہلی کالج کی ایک انتہائی اہم شخصیت ماسٹر رام چندر کی تھی جو اپنی ذات میں انجمن اور حرکت کی علامت تھے۔رام چندر ۱۸۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے بچپن میں یتیم ہو گئے اس کے باوجود رام چندر نے علم کی تحصیل کی یہ انہیں کے جگر کی بات تھی ۱۸۴۱ء میں رام چندر جب دہلی کالج میں پڑھنے آئے تو اس وقت کالج کے پرنسپل مسٹر

Marfat.com

بتر وتھے رام چندران کے ساتھ ترجمہ کے کام میں مدد کرنے لگے غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر انہیں وظیفہ بھی ملتا تھا۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد دہلی کالج میں ان کا تقرر بحیثیت ریاضی کے استاذ ہوا۔ ''ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' کا قیام عمل میں آیا تو رام چندر طلبہ کی مدد سے تراجم کا کام تندہی سے کرنے لگے یہی تراجم مشرقی شعبہ کے طلبہ کے نصاب میں شامل کردئے جاتے تھے۔ ماسٹر رام چندر کی صلاحیتوں اور اولیت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں۔

> ''ان (ماسٹر رام چندر) کی اولیات میں تنقید، شعروادب، ترجمہ وتاریخ، سیرت وسوانح، مضمون نگاری اور صحافت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سرسید، حالی، آزاد نذیر احمد اور شبلی کے کارنامے رام چندر کے بعد کے ہیں، مؤخر الذکر کو 'اردو کے عناصر خمسہ' کے آگے تاریخی تقدم حاصل ہے ادبی نہیں لیکن یہ شرف بھی کم نہیں'' ۱۷

جدید تنقید کا آغاز

عموماً حالی کے مقدمہ شعروشاعری کو جدید تنقید کی ابتدا سمجھا جاتا ہے جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا لیکن رام چندر نے حالی سے تقریباً چار دہے پہلے اپنے رسالہ 'خیر خواہ ہند' میں اردو شاعری پر تنقید کی ہے جس سے اس میدان میں ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ماسٹر رام چندر کے ذریعہ بعض اٹھائے گئے سوالات اور اعتراضات کو حالی نے آگے چل کر زیادہ وضاحت اور خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے یکم ستمبر ۱۸۴۷ء کے خیر خواہ ہند میں (جس کا نام نومبر ۱۸۴۷ء سے محبت ہند ہوگیا) جس کا ایک حصہ

Marfat.com

انگریزی زبان میں بھی ہے اس میں رام چندر کا ایک مضمون مشاعرہ پر شائع ہوا ہے جس میں اردو شاعری پر تنقید ہے اس کے چیدہ چیدہ مفہوم پر غور فرمایئے۔

''شاعری کا موضوع عام طور پر عشق ہے جس کا معیار بہت پست اور افسوس ناک ہے اس کا اندازہ معشوق کے تصور سے کیا جاسکتا ہے وہ ان شاعروں کی دنیا میں بے وفائی اور جورو جفا کا پتلا ہے وہ بوالہوس رقیب سے راہ ورسم ہی نہیں رکھتا بلکہ سچے عاشق کی ایذا رسانی سے خوش بھی ہوتا ہے۔

اردو شاعری میں عاشق سودائی ومجنوں، رند خراباتی، کافر، مغموم اور دلگیر نظر آتا ہے۔

عاشق اور واعظ میں کبھی نہیں بنتی ان شاعروں نے شیخ کی بُری طرح خبر لی ہے اور کوئی گستاخی ایسی نہیں چھوڑی ہے جو ان واعظان مذہب واخلاق کے ساتھ روا نہ رکھی ہو۔

ہر مصیبت اور بے عملی کا سبب چرخِ نیلوفری ہے ہمارے شاعر (جو عاشق سمجھے جاتے ہیں) جب کبھی معشوق کی ایذا رسانی اور بے وفائی کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا سارا الزام آسمان کی کج رفتاری پر رکھتے ہیں۔

اردو شاعروں کی بے مذہبی مشہور ہے اسکا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ہوگا۔

نہ بت خانہ سے کام اپنا، نہ بیت اللہ سے مطلب
میں بندۂ عشق کا ہوں، مجھ کو کیا ہے راہ سے مطلب
سمجھ تو دیکھ مجھ سے تجھ سے جھگڑا کیا ہے اے زاہد
تجھے تسبیح سے اور مجھ کو اپنی آہ سے مطلب

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر شعروشاعری کو ایک محدود تصور سے نکالنا چاہتے تھے ان کا منشاء یہ تھا کہ شاعر نیا تہذیبی شعور اپنے اندر بیدار کر کے دیگر زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی و جرمن کی طرح موضوعات میں تنوع پیدا کریں۔

Marfat.com

مراسلہ نگاری میں سادگی اور مقصدیت

ماسٹر رام چندر نے مراسلہ نگاری کی قدیم روش پر سخت اعتراضات کئے اور آسان عبارت لکھنے پر زور دیا۔ دراصل خطوط میں یہ تکلفات اور ثقالت فارسی انشا پر دازی کا اثر تھا اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اصل مقصد فوت ہو کر رہ جاتا ہے جب کہ یہ مرصع نگاری علم و فضل کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ یہ اس وقت کی عام روش تھی جس میں عام آدمی سے لیکر نواب اور حاکم تک سبھی ملوث تھے چنانچہ اودھ کے آخری نواب واجد علی شاہ نے اپنی ایک بیوی کو خط لکھا جس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

"نامہ عنبر شامہ ،عطر آگیں ،بہجت
تزئیں مفرح روح ،مقوی دل ، ممد جان،
معاون رواں سلسلۂ محبت ، وسیلہء مودت،
مسکن دل نالاں و مضطر، جامع پریشاں
و بے پر، مایہء صبر و قرار باعث تسلی ، دل
غمخوار، مجاہد الدولہ کی معرفت پندرہویں
ماہ صفر کو رونق افروز بزم موصول ہوا کاشانۂ
محبت روشن اور خانہء الفت رشک وادیٔ
ایمن ہوا۔" ۱۸

ماسٹر رام چندر اس طرز ادائیگی کے سخت خلاف تھے انھوں نے سادگی اور قطعیت پر زور دیا چنانچہ رام چندر نے اپنے رسالہ محبِ ہند یکم جنوری ۱۸۵۰ء کے ایک مضمون میں اس طریقہء خط و کتابت کی سخت مذمت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واہیات اور اغلاق عبارات، استعارے و صنائع فارسی کے ذریعہ آئے ہیں اور قابل ترک ہیں انھوں نے جو خطوط لکھے زمانہ کی اس عام روش سے بالکل ہٹ کر لکھے۔

Marfat.com

ماسٹر رام چندر اور اردو زبان

ماسٹر رام چندر ملک وقوم کی ترقی میں اردو زبان کا اہم کردار مانتے تھے کیونکہ ہندوستان کے کثیر باشندوں کی زبان اردو تھی جبکہ دیگر زبانیں علاقائی درجہ رکھتی تھیں اس لئے انگریزی وسائنسی علوم وفنون کو اردو میں منتقل کرنے کے حامی تھے ان کا ماننا تھا کہ مادری زبان میں تعلیم دینا زیادہ مفید ہوسکتا ہے۔ اکتوبر ۱۸۴۷ء کے خیر خواہِ ہند میں وہ لکھتے ہیں:

''......زبان انگریزی کے ذریعہ سے
اس قدر شیوع علوم مفیدہ کا نہیں ہوسکتا ہے
جس قدر کہ ضرور ہے تا کہ ہندوستان کے
آدمی وہ لیاقت اور عقل پیدا کریں جو
بالفعل اہل فرنگ کو حاصل ہے۔ اب جو
امید ہے کہ ایک دن اہل ہند عاقل اور عالی
حوصلہ مثل فرنگیوں کے ہو جائیں اس
باعث سے ہوتی ہے کہ علوم اور فنون کی
کتابیں زبان اردو میں ترجمہ کی جائیں اور
اس کی وساطت سے ہند کے آدمی علم
حاصل کریں''۔ [۱۹]

پھر آگے چل کر رام چندر تحریر فرماتے ہیں

''واضح ہو کہ زبان اردو ایسی ہے کہ
بہت بہت دور سمجھی جاتی ہے......اور ظاہر
ہے کہ وہی زبان باآسانی تحصیل ہوسکتی

Marfat.com

ہے جس کے سمجھنے میں چنداں مشکل نہ ہو
اب اگر غور سے دیکھو تو دریافت ہوگا کہ
حیدر آباد دکن سے لگا کے، سرحد نیپال اور
دریائے اٹک تک اور شہر سورت (کذا)
سے شہر پٹنہ تک زبان اردو یعنی وہ زبان
جو دہلی میں لوگ بولتے ہیں سمجھی جاتی ہے
سوائے اردو کے کوئی ایسی زبان ہندوستان
میں نہیں ہے جسکا اس قدر زیادتی سے
رواج ہو...... پس اگر اس زبان کی
وساطت سے علوم شیوع ہوں اور رواج
پاویں تو حقیقت میں خلقت ہند کو بہت
فائدہ ہے۔'' ۲۰

رام چندر اردو زبان کو ذریعہ تعلیم کے طور پر اپنانے اور نئی تہذیب کے فروغ میں اس کی افادیت سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے نہ صرف اردو کی وسعت لچک اور ہندوستان گیر مقبولیت و تراجم کی اہمیت پر زور دیا ہے بلکہ بے حس حکومت کو بھی اس جانب توجہ دلائی ہے کہ وہ اردو کے ادارے اور کالج وغیرہ قائم کریں۔ وہ اعلیٰ تعلیم کو چند منتخب لوگوں کی ملک بنانا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اردو زبان کے ذریعہ سائنسی علوم کو عام کرنا چاہتے تھے ساتھ ساتھ وہ اردو کو شعر و شاعری کے دائرے سے نکال کر اس کے دامن کو وسیع کرنا چاہتے تھے جس سے ہماری زبان بھی اعلیٰ زبانوں کی صف میں شامل ہو جائے اور اعلیٰ تعلیم کے بار کو برداشت کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ رام چندر انگریزی زبان کو نظر انداز کر جاتے ہیں زیادہ بلکہ تمام تر توجہ ان کی اردو زبان کے ذریعہ ہی علوم کی اشاعت اور اس کے سیکھنے پر مرکوز

Marfat.com

ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''ہندوستان میں کروڑہا آدمی ہیں ان
میں سے کس قدر خلقت نے زبان
انگریزی کو تحصیل کیا ہے؟ (بہت کم نے)
زبان انگریزی ایک بیگانی زبان ہے اور
اسی واسطے اس کا تحصیل کرنا مشکل تر ہے
......غرض یہ کہ زبان انگریزی کے ذریعہ
سے اس قدر شیوع علوم مفیدہ کا نہیں
ہوسکتا ہے جس قدر کہ ضرور ہے۔'' ۲۱

رام چندر اس وقت یہ تحریر لکھ رہے ہیں جب انگریزی واقعی بیگانی زبان تھی اور فارسی اور اردو ہی کا سکہ رائج تھا لیکن آنے والے وقت میں تہذیبی تصادم اور سیاسی تلاطم کے نتیجہ میں لسانی صورتحال نے کروٹ بدل لی غرضیکہ اب انگریزی زبان بیگانہ نہ رہ کر یگانہ ہوگئی اور یہ بیگانگی اردو کے حصہ میں آئی۔ بہرحال ماسٹر رام چندر اور دہلی کالج سے وابستہ افراد کی یہ برابر کوشش رہی کہ تمام علوم کی تعلیم اردو زبان کے ہی ذریعہ ہو اس کے لئے ان حضرات نے تراجم کا بہت بڑا شعبہ قائم کر کے اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور مختلف علوم وفنون کی بیش بہا کتابوں کو کثیر تعداد میں ترجمہ کیا اور اس جانب بڑی عمدہ پیش رفت کی جس کا تفصیلی ذکر علیحدہ باب میں آرہا ہے۔ یہ ان کی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ہندوستان کا یہ واحد ادارہ تھا جہاں اعلیٰ تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی۔ اگر حالات سازگار رہتے اور دہلی کالج کو اتنی جلدی توڑ کر مرحوم نہ کردیا گیا ہوتا تو یقیناً آج ہندوستان میں تعلیمی منظرنامہ کچھ اور ہی ہوتا۔

رام چندر اور اردو صحافت

ڈاکٹر اشپرنگر نے کالج میں ایک پریس 'مطبع العلوم' نام سے قائم کیا تھا۔ کالج

Marfat.com

کے طلبہ واساتذہ نے 'مجمع فوائد العام' نام سے ایک انجمن قائم کی تاکہ اپنے نظریات کی اشاعت کرسکیں۔ رام چندر کا پہلا اخبار 'فوائد الناظرین' ایک عرصہ تک اسی انجمن کے تحت شائع ہوتا تھا۔ جنوری ۱۸۴۶ء میں ڈاکٹر اشپرنگر کی ایماء پر ایک ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' جاری کیا گیا جس کا مقصد مشرقی ومغربی تہذیبوں کی اعلیٰ اقدار کو فروغ دینا اوران میں امتزاج پیدا کرنا تھا اخبار میں خبروں کے ساتھ انگریزی کے اہم مضامین کے تراجم اور جدید علوم سے متعلق طلبہ اور اساتذہ کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

فوائد الناظرین

رام چندر کا یہ پندرہ روزہ اخبار ۲۳ / مارچ ۱۸۴۵ء سے شائع ہوا اس اخبار کا مقصد پڑھے لکھے لوگوں کو جدید علوم وفلسفہ سے متعارف کرانا تھا چنانچہ اسی طرح کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔ اس کا اسلوب عام روش سے ہٹ کر عام فہم اور سادہ تھا لیکن مضامین طبیعات اور ریاضیات سے متعلق اتنے دقیق ہوتے تھے کہ لوگوں کی سمجھ سے باہر تھے۔ آخر میں انہوں نے اسے دلچسپ بنانے کی غرض سے تاریخ، اسلاف کے واقعات، سائنسی انکشافات اور استادوں کے کلام شائع کرنے لگے اس کے علاوہ اہم اور دلچسپ مقامی، ملکی اور غیر ملکی خبریں بھی چھاپتے تھے مثلاً مرزا غالب کی گرفتاری، مہاراجہ دلیپ سنگھ کی شکست اور پنجاب سے ان کا کوچ، مرزا شاہ رخ بہادر کا انتقال، یورپ میں شخصی حکومتوں کے خلاف برپا ہونے والے انقلابات اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی آبادی سے متعلق دلچسپ اعداد وشمار اور انگلستان کی پارلیمنٹ میں پیش ہونے والے بجٹ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ [۲۲] اور اسی طرح کی متعدد خبریں فوائد الناظرین میں شائع ہوتی تھی۔

اس بات کو بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ ۲ / ستمبر ۱۸۴۵ء تک فوائد الناظرین

Marfat.com

'دہلی اردو اخبار' کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوتا تھا اور اڈیٹر کی جگہ پر دہلی کالج کی انجمن ''مجمع فوائد العام'' لکھا جاتا تھا لیکن ۴/ اکتوبر ۱۸۴۶ء سے رام چندر کا نام شائع ہونے لگا مگر یہ تبدیلی محض ضابطہ کی تھی عملی طور پر پہلے بھی رام چندر ہی اس اخبار کے ذمہ دار تھے۔ ۲۳

خیر خواہِ ہند (محبِّ ہند)

ستمبر ۱۸۴۷ء میں رام چندر نے ایک ماہانہ رسالہ خیر خواہ ہند نام سے شائع کیا اکتوبر تک یہ رسالہ اسی نام سے نکلتا رہا مگر نومبر ۱۸۴۷ء سے اس کا نام بدل کر محبّ ہند رکھ دیا اس سلسلے میں ۱۸/ اکتوبر ۱۸۴۷ء کے فوائد الناظرین میں رام چندر لکھتے ہیں۔

> ''چونکہ ہم کو اس امر کی بالکل اطلاع نہ تھی کہ کوئی اخبار خیر خواہ ہند ہندوستان میں اجرا ہوتا ہے تو اس واسطے ہم نے اپنے رسالہ کا نام خیر خواہ ہند رکھا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ایک اخبار مسمّیٰ خیر خواہ ہند مرزاپور مین جاری ہوتا ہے تو ہم کو مناسب نہیں کہ ہم اپنے رسالہ کا نام بھی خیر خواہ ہند رکھیں اس واسطے ہم نے نام اس رسالہ کا تبدیل کیا اور بجائے خیر خواہ ہند کے محبّ ہند رکھا۔'' ۲۴

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد بھی تقریباً وہی تھے جو کہ فوائد الناظرین کے تھے۔ محبّ ہند کتنے صفحات پر مشتمل تھا اور اس کے مضامین کیسے تھے اس کی تفصیل پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

> ''محبّ ہند کم وبیش پچاس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور چندہ ایک روپیہ ماہوار تھا۔ سرورق پر رسالے کا نام، مہتمم کا نام، قیمت، تاریخ، شمارے اور جلد کی نمبر اور اردو وانگریزی میں فہرست مضامین چھپی ہوتی تھی مضامین کے ساتھ متعلقہ تصاویر اشکال اور نقشے بھی شامل کیے جاتے تھے۔ سوانح، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، طبیعات سے متعلق مضامین کے علاوہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے شعرا کا کلام بھی شائع ہوتا تھا'' ۲۵

رام چندر کی صحافت پیشہ وارانہ نہ ہوکر اصلاحی تھا اس کے ذریعہ انہوں نے اردو نثر کے نئے طرز کی داغ بیل ڈالی مضمون نگاری کا آغاز کیا، غلط قسم کے عقائد کے خلاف آواز بلند کی، عام مذاق سے ہٹ کر چونکانے اور جھنجھوڑنے والے مضامین شائع کرتے تھے اس لئے اس کے خریدار چند روشن خیال ہندوستانی اور انگریز افسر ہی تھے نتیجہ یہ ہوا کہ دس برس تک جاری رہنے کے بعد ۱۸۵۵ء میں ان دونوں کی اشاعت بند کردی گئی۔

تصنیفات وتراجم

ماسٹر رام چندر طالب علمی کے زمانہ سے ہی لکھنے لگے تھے اکثر مضامین کے علاوہ کئی کتابیں طالب علمی کے وقت میں شائع ہوچکی تھی۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے ان کی تصانیف وتراجم کی کل تعداد ۱۷ بتائی ہیں۔ ان میں سے گیارہ کتابیں دہلی

Marfat.com

کالج میں قیام کے دوران شائع ہوئیں جو کہ مختلف موضوعات پر ہیں۔

مگر بیشتر کتابیں ریاضی سے متعلق ہیں جو کہ رام چندر کا خاص موضوع رہا ہے اور اس علم میں یورپ سے بھی اپنا لوہا منوالیا تھا۔ ریاضی پر ان کی کتاب ''رسالہ مسائل کلیات وجزئیات'' (A Treatise on the Problems of Maxima & Minima) اتنی مقبول ہوئی کہ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر آگسٹن ڈی مارگٹن نے بڑی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اسے لندن سے ایک طویل مقدمے کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ نیز کورٹ آف ڈائریکٹرز'' اور حکومت دہلی کی جانب سے انہیں خلعت اور انعام سے نوازا گیا۲۶۔

بحیثیت مجموعی ہندوستانی تاریخ، اس کی نشاۃ ثانیہ اور علم وادب پر رام چندر نے کیا اثرات مرتب کیے؟ اس پر اجمالی نظر ڈالنے کے لئے میں آپ کو خواجہ احمد فاروقی کے پاس لے چلتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں چنانچہ انہیں کے الفاظ میں۔

''رام چندر نے سرسید سے پہلے مضمون نگاری وصحافت، ذکاء اللہ سے پہلے ترجمہ وتاریخ اور حالؔی سے پہلے سیرت نگاری وتنقید شروع کی اور اس طرح ان کی حیثیت چراغِ راہ کی سی ہے۔ انہوں نے نذیر احمد کی طرح نسوانی ادب مہیا نہیں کیا لیکن موخر الذکر سے پہلے عورتوں کی تعلیم اور ان کے حقوق کی حمایت کی۔ انہوں نے سرسید کی طرح کوئی اصلاحی تحریک شروع نہیں کی لیکن غلامی اور محرومی کا احساس دلایا اور تہذیب الاخلاق سے بہت پہلے

Marfat.com

''مضامین علمی'' اور ''نصیحت آ گیں'' لکھ
کر جو'' مفید خلقت ہندوستان ہوں''
ہماری چشم تنگ کو کثرت نظارہ سے کھولنے
کی کوشش کی .... رام چندر کی علمی
خدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ
انہوں نے فکر ونظر اور ترک واختیار کے
نئے پیمانے دے کر اور صحافت ،تنقید
وترجمہ اور مقالہ نگاری کے نئے معیار قائم
کرکے اردو نثر کی کشت ویران کو رہگذر باد
ہونے سے بچالیا اور اس میں یہ صلاحیت
پیدا کردی کہ وہ آنے والے زمانہ کا ساتھ
دے سکے۔اس میں دل کو کھینچنے والے
انچھر کم ہیں لیکن اس پر ایک بڑے مقصد
کی چھوٹ ایک نئے تمدن کا پرتو ہے۔ان
کی تحریروں اور مضمونوں کو پڑھ کر انشا
پردازی کا لطف نہیں آتا ۔ادبی مسرت
حاصل نہں ہوتی لیکن یہ نثر نئے زمانہ کا
اشاریہ ہے اس میں رہبری اور رہنمائی کی
صلاحیت اور افادیت اور عقلیت کی جلوہ
گری ہے''۔[۲۷]

مولوی سبحان بخش

مولوی سبحان بخش دہلی کالج میں مشرقی شعبے کے ایک کامیاب مدرس تھے

Marfat.com

انہوں نے ''تزک تیموری'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ ''تاریخ ابن خلکان'' اور ''تذکرہ مفسرین'' کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ان کی سب سے اہم کتاب ''محاورات ہند'' ہے جس کے دیباچے میں اپنا وطن شکار پور ضلع مظفر نگر بتایا ہے۔

''محاورات ہند'' کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ محاورات کی طرف ابھی تک کسی کا خیال نہیں ہوا اور نہ آج تک کسی نے جمع کئے اور نہ یہ لکھا کہ لفظ کیا معنی دیتے ہیں اور قائل کی مراد کیا ہے۔اسلئے خاکسار نے حسب تحریک مولوی حافظ محمد عبدالاحد مالک و مہتمم مطبع مجتبائی دہلی کی یہ خدمت اہل ملک کی اپنے اوپر واجب سمجھ کر ایک رسالہ محاورات و امثال کا مرتب کیا اور ان کے معنی اور مراد بولنے کا محل بھی بیان کیا۔ ۲۸

مولوی ضیاء الدین

مولوی ضیاء الدین دلی کالج کے طالب علم تھے بعد میں عربی کے استاد ہوئے۔ال.ایل.ڈی کرنے کے بعد شمس العلماء ڈاکٹر ضیاء الدین بن گئے ۱۸۶۴ء میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی کی خدمت پر مقرر کیے گئے اور بعد میں پروفیسر ہو گئے۔ ۲۹

مولوی بشیر الدین احمد لکھتے ہیں:

> ''مولوی صاحب (مولوی ضیاء الدین) مولوی مملوک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے اور مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور سے بھی فارسی تحصیل کی تھی۔ایام غدر میں دہلی کالج میں مدرس ہوئے۔چندے نارمل اسکول میں پڑھاتے رہے۔پھر اسی کالج میں عربی

Marfat.com

کے مدرس ہو گئے.......... بڑے بھاری
ادیب وقت تھے چونکہ ساری عمر رشتہ تعلیم
میں صرف ہوئے ۔ پڑھانے ہی کی دھن
رہی تصنیف وتالیف کوئی نہ چھوڑی''۔ ۳۰؎

منشی ذکاءاللہ

منشی ذکاءاللہ کی پیدائش دہلی میں اپریل ۱۸۳۲ء میں ہوئی ان کے والد حافظ محمد ثناءاللہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے چھوٹے شہزادے مرزا کوچک سلطان کے اتالیق تھے، ذکاءاللہ نے بھی اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دادا سے حاصل کرنے کے بعد ۱۲ سال کی عمر میں دہلی کالج میں داخل ہوئے ۔ بلا کے ذہین تھے اسی سال انہوں نے اول انعام حاصل کیا ریاضی، طبیعات، تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی تھی چنانچہ ریاضیات کے لئے برطانوی حکومت نے پندرہ سو روپے کا انعام اور خان بہادر و شمس العلماء کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ۳۱؎

ریاضی سے شغف اور ایک عجیب واقعہ

منشی ذکاءاللہ کو ریاضی سے غیر معمولی شغف تھا یہی وجہ ہے کہ اپنے تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ ماسٹر رام چندر سے ان کا قریبی تعلق تھا اور یہ تعلق لوگوں میں غلط فہمی کا باعث بھی ہوا کہ رام چندر منشی ذکاءاللہ کو اپنی طرح عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ بہرحال استاد کی سرپرستی نے انہیں کالج کا مقبول ترین ریاضی داں بنا دیا، دہلی کالج کی طالب علمی اور صرف سترہ سال کی عمر میں ہی ریاضی پر ایک کامیاب کتاب تصنیف کر کے انہوں نے دہلی والوں کو سکتہ میں ڈال دیا اس کتاب کا ایڈیشن صرف چار دن میں ہی ختم ہو گیا تھا۔

Marfat.com

منشی ذکاء اللہ کے سوانح نگار سی۔ایف۔اینڈریوز نے ان کے بچپن کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سرسید احمد خان کے ایک چچا دہلی کے نوابوں میں تھے ان کا مکان علوم ریاضی ونجوم کا مرکز تھا وہ خود بھی ایک بہترین ریاضی داں تھے،انہوں نے کمسن ذکاءاللہ کے کارناموں کو سنا تو اپنے پاس بلاکر ہمت افزائی کی اوران کا امتحان لینے کے لئے ایک ناقابل حل سوال دیتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یوکلڈ (Euclid) ثانی ہوا چھا میں تمہیں ایک سوال حل کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔تین روز کے بعد ذکاءاللہ ان کے پاس گئے سوال آخری مرحلہ پر جیومٹری کے طریقہ سے حل ہوگا اس لئے ناقابل حل ہے۔نواب صاحب ذکاءاللہ کے جواب سے مطمئن اوران کی قابلیت کے قائل ہوگئے اور کہا کہ تم نے واقعی سوال حل کرلیا۔۳۲

ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی کالج میں ہی بیس روپیہ ماہانہ پر ریاضی کے استاد ہوگئے اس کے بعد آگرہ کالج میں سات سال تک اردوادب کے لکچرر رہے۔۱۸۵۵ء میں بلندشہراور مرادآباد کے لئے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے،گیارہ سال کے بعد ۱۸۶۶ء میں دہلی نارمل اسکول کی صدرمدرسی اختیار کرلی تین سال کے بعد ۱۸۶۹ء میں لاہوراورینٹل کالج میں پروفیسر کے لئے نامزد ہوئے مگر وہاں چارج لینے سے قبل میور سنٹرل کالج الہ آباد میں پروفیسرورناکلر سائنس اینڈ لٹریچر فیلو مقرر کردئے گئے میور کالج میں ایک عرصہ تک خدمات انجام دینے کے بعد پنشن لیکر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور بقیہ عمر کے ۲۴ سال کو فرصت سمجھ کر تصنیف وتالیف میں صرف کیا۔۳۳

تصانیف

منشی ذکاءاللہ نے ریاضیات،طبعیات،اقتصادیات،اخلاقیات،سیاست،

Marfat.com

ادب، تاریخ، اور جغرافیہ وغیرہ کی کوئی ایسی شاخ نہیں چھوڑی جس پر انہوں نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان کی بیشمار تصانیف بقول ڈاکٹر عبدالحق بجائے ایک چھوٹا سا ایک کتب خانہ بن سکتی ہے۔ ان کی کل تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہیں۔

منشی ذکاء اللہ کا خود ذاتی بیان ہے کہ مجھے اپنی ۱۹ سال کی عمر سے کتابوں کے ترجمہ کرنے اور تصنیف وتالیف کرنے کا شوق دامن گیر ہے، ہر روز دو چار صفحے سیاہ کرنے کی عادت طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ اسی طرح میں ہر سال بحساب اوسط ایک ہزار صفحے لکھا کرتا ہوں اس کا نتیجہ ۷۰ برس کی عمر آخر ۱۹۰۱ء میں یہ ہے کہ ۱۴۶ کتابیں چھپ چکی ہیں اور گیارہ قلمی کتابیں بغیر چھپی ہوئی رکھی ہیں۔ اس کے علاوہ اخباروں اور رسالوں میں صدہا مضمون چھوٹے بڑے چھپے ہیں غرض میرے ہاتھوں نے قلم سے سیاہی و کاغذ کو ملا کر پریس میں باون ہزار (۵۲۰۰۰) صفحوں کے سر کو دبایا ہے۔[۳۴]

چنانچہ حیرت ہوتی ہے کہ ۱۹۰۱ء پر ایک سو ستاون (۱۵۷) کتابیں تصنیف وتالیف ہو چکی تھیں۔ ''آئین قیصری''، ''سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ'' اور ''سوانح عمری مولوی سمیع اللہ'' اس کے بعد صفحہ قرطاس پر آئیں ان کے علاوہ اور بھی کوئی کتاب ہو سکتی ہیں اگر اس کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ایک سو ساٹھ کی تعداد میں تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

منشی ذکاء اللہ کی حیرت میں ڈالنے والی تصانیف پر اکثر لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے مولوی بشیر الدین واقعات دار الحکومت میں لکھتے ہیں:

''فن تاریخ اور ریاضی میں علی الخصوص
مسلمانوں میں آپ کا جواب نہ تھا، آپ کی
تصانیف ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہیں۔
جتنی ضخیم کتابیں آپ نے تصنیف کیں اور
ترجمہ کیں کسی اور نے نہیں کی ...... بالکل

Marfat.com

عالمانہ اور فلسفیانہ رنگ تھا......گو شمس
العلماء تھے مگر کہلاتے ہمیشہ منشی اور یہ لفظ
تھا بھی بہت موزوں اتنا بڑا منشی یعنی لکھاڑ
کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔خدا جانے قلم تھا یا
مشین دماغ تھا ۔یہ معلومات کا ایک
نامحدود وغیر متناہی ذخیرہ ایسے لوگ کہاں
پیدا ہوتے ہوں۔اور شاید پیدا ہوتے ہیں
مگر فی زمانہ مسلمانوں میں تو ہوتے نہیں'' ۳۵

اور محمد یحییٰ ''تنہا''سیر المصنفین ''میں رقم طراز ہیں:

'' حق یہ ہے کہ مختلف اصناف میں
آپ کی گہر ریزی نے اردو کی ضرب المثل
مفلسی کو ایک حد تک دور کر دیا ہے۔اور جو
خدمت آپ نے اردو زبان کی اپنی کثیر
تصانیف سے فرمائی ہے ہمیشہ قابل تحسین
وتشکر رہے گی اور اردو آئندہ زمانہ میں علمی
ذخائر سے کتنی ہی مالا مال کیوں نہ ہو جائے
آپ کے احسان سے سبکدوش نہ ہو سکے
گی'' ۳۶

آپ کی تصانیف معلومات کا خزانہ ہے۔لیکن جہاں تک طرز تحریر کا سوال ہے وہ کسی قدر پھیکا ہے۔شگفتگی اور دلکشی نہیں پائی جاتی لیکن اسکی امید بھی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ غیر ادبی سائنسی، تاریخی اور ریاضی جیسے خشک موضوع میں اس کی گنجائش کم ہی رہتی ہے۔پھر بھی طرز نگارش سلیس، رواں اور بے تکلف ہے۔مشکل سے مشکل

Marfat.com

بات کو چند الفاظ میں سلجھا دیتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ مختلف علوم وفنون اور موضوعات کی کتابیں اردو میں لکھ کر یا ترجمہ کر کے جدید علوم کی تحصیل کے لئے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم کے قابل بنایا۔ حکومت نے بھی ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔ چنانچہ سی. ایف. اینڈ ریوز کا کہنا ہے:

> ''اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ انہوں
> نے اسی نیک مقصد کو حاصل کرنے کے
> لئے اپنی زندگی کے پچاس سال وقف
> کر دئے'' ۳۷

ماسٹر پیارے لال

ماسٹر پیارے لال دہلوی قدیم دہلی کالج کے نمایاں طالب علم تھے۔ ابتداء میں کالج میں مدرس رہے۔ رام چندر اور مولانا صہبائی کے خصوصی شاگرد تھے۔ مرزا غالب سے یارانہ تھا۔ چنانچہ جب دہلی چھوڑ کر ملازمت کی غرض سے لاہور جانے لگے تو دہلی سوسائٹی جس کے روح رواں اور سکریٹری ماسٹر پیارے لال ہی تھے، کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جس پر دہلی کے عمائدین اور سوسائٹی کے ارکان کے دستخط تھے مرزا غالب نے دستخط کے ساتھ یہ تحریر کیا:

> ''فقیر اسد اللہ خاں غالب کہتا ہے کہ
> جو بابو پیارے لال کی مفارقت کا غم واندوہ
> ہوا ہے وہ میرا جی جانتا ہے بس اب
> میں نے جانا کہ میرا دلی میں کوئی نہیں
> ہے'' ۳۸

Marfat.com

مرزا غالبؔ سے تعلق

قیام دہلی کے دوران مرزا غالبؔ سے اتنا تعلق تھا کہ ہر ہفتہ مرزا غالب سے ملنے جاتے تھے۔ اتفاق سے کبھی جانا نہ ہوتا تو مرزا غالب ماسٹر پیارے لال کے پاس ملاقات کرنے کی شکایت کا کوئی نہ کوئی شعر لکھ کر بھیج دیتے یہی نہیں بلکہ غالب نے انہیں خط بھی لکھا۳۹؎

تصانیف

ماسٹر صاحب کی چند تصانیف اور تراجم بھی ہیں جن میں قصصِ ہند حصہ اول سوم، رسوم ہند کا ابتدائی حصہ، تاریخ انگلستان، اور دربار قیصری، وُرسالہ اتالیق، کے اکثر مضامین قابل ذکر ہیں۔

مولوی نذیر احمد

ایسے حضرات جنھوں نے قدیم دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی اور وہاں سے نکل کر ملک کے مختلف گوشوں میں برطانوی یا ریاستی حکومتوں کے ملازم بنے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے یا مزید پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کر کے اپنے نام کو روشن کیا ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم عصر اخباروں میں ان حضرات کی مصروفیتوں اور کارناموں کی خبریں اکثر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان لوگوں میں مولوی نذیر احمد کا ذکر پہلے کرنا چاہوں گا۔ جن کا تعلق ضلع بجنور کے موضع ریہڑ کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔ یہ دہلی کالج میں ایک نمایاں طالب علم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔

ملازمت

مولوی نذیر احمد کے دہلی تعلیم میں داخلہ کی کہانی مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنے

Marfat.com

مخصوص انداز میں بیان کیا ہے جسے ''نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد نذیر احمد اول پنجاب میں مدرس رہے پھر ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو کر کانپور پہنچے۔ آخر میں نظام آف حیدر آباد ''سالار جنگ اول'' نے بلا کر افسر بندوبست مقرر کیا اور محکمۂ مال کے ممبر بھی ہو گئے۔ وقت سے پہلے سبکدوش ہو کر دلی چلے آئے اور وہیں ۳ رمئی ۱۹۱۲ء کو انتقال ہوا۔[40]

اردو کے پہلے ناول نگار

مولوی نذیر احمد نے دہلی کالج کے علمی ماحول سے خوب خوب استفادہ کیا۔ مشرقی علوم کے ماہر اور مفسر قرآن کے علاوہ اردو ادب کے پہلے ناول نگار کی حیثیت سے ان کی شناخت تسلیم شدہ ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ عورتوں کے مسائل ان کی تعلیم، مسلم گھرانے کی اصلاح اور سماجی برائیوں کو اجاگر کیا ہے۔ مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانۂ مبتلا۔ ایامیٰ اور رویائے صادقہ وغیرہ ان کے اسی موضوع پر لکھے گئے ناول ہیں۔ ان کا اہم مقصد انسان اور انسانی سماج کو بہتر بنانا تھا۔

نذیر احمد کا ایک اہم ناول 'ابن الوقت' ہے جس میں انہوں نے اس وقت کے سیاسی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ انگریزوں نے جو قدیم نظام ختم کر کے جدید نظام قائم کیا جس کے باعث ہندستان میں معاشی ابتری آئی اس کا بڑا ہی تفصیلی اور بصیرت کے ساتھ تجزیہ کیا ہے ڈاکٹر یوسف سرمست کا خیال ہے:

''نذیر احمد نے 'ابن الوقت' میں
انگریزوں کے سیاسی تسلط سے ہندستان کا
صدہا سال کا سیاسی نظام زندگی جس طرح
تباہ ہو گیا تھا اس کا جائزہ بالکل ایک مورخ

Marfat.com

کی طرح لیا ہے۔ وہی نتائج اخذ کیے ہیں
جو کارل مارکس سے لے کر ہندوستان کی
معاشی تاریخ کے مورخ 'رمیش دت' اور
'پنڈت جواہر لال نہرو' جیسے مدبر نے اخذ
کیے ہیں''[۴۱]

مولانا سخت مذہبی آدمی تھے اسلئے انھوں نے اپنے ناولوں میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح اور عورتوں کی تعلیم وتربیت کو اپنا موضوع بنایا۔ ناولوں میں ان کا انداز خطیبانہ ہے سہیل بخاری ان کے ناولوں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مولانا نذیر احمد پہلے شخص ہیں جنھوں
نے سلاطین وامراء کے حالات سے قطع
نظر کر کے مسلمانوں کے متوسط طبقے کی
گھریلو زندگی کے ایسے سچے نقشے کھینچے کہ
ان کی مثال نہیں مل سکتی دوسری خصوصیت
ان کی یہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف خالص
مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں.........
تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ تصانیف اردو
میں مقصدی ادب کا پہلا نمونہ ہیں''[۴۲]

نذیر احمد کے پلاٹ بالکل سادہ ہیں، ان میں نہ کوئی جدت ہے نہ دلکشی لیکن مکالمے کے وہ بادشاہ ضرور ہیں۔ عورتوں کے لب ولہجہ، محاورات، انداز گفتگو اور روزمرہ پر انہیں دسترس حاصل ہے۔ ان کی زبان دہلی کی ٹکسالی زبان ہے۔ عام طور پر بیان میں روانی، جوش، زور، شگفتگی، صفائی، بے ساختگی غرض سبھی کچھ موجود ہے۔ لیکن

Marfat.com

اسلوب ناہموار ہے۔ اگر ایک جگہ عربی کے ثقیل الفاظ ومحاورات اوراشعار، آیات واحادیث لکھتے ہیں تو دوسری جگہ ٹھیٹ ہندی کے سادہ اور سلیس الفاظ سے کام لیتے ہیں۔ بہر حال نذیر احمد دلی کالج کی ایک عہد آور شخصیت تھی جنھوں نے اردو ادب کو نہ صرف مالا مال کیا بلکہ ایک صنف ادب کا آغاز بھی انہیں ہاتھوں کے ہوا۔

مولوی محمد حسین آزاد

دوسری اہم شخصیت مولوی محمد حسین آزاد کی ہے۔ یہ مولوی محمد باقر کے فرزند اور دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ اپنے والد کے اخبار ''دہلی اردو اخبار'' سے منسلک ہو گئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے دوران انہوں نے اس اخبار کو حریت پسندوں کا آرگن بنا دیا آغا محمد باقر کہتے ہیں:

''آزاد نے اس دور میں آخری مغل
بادشاہ کے حق میں اور انگریزوں کے
خلاف تند و تیز مقالے لکھے اور جنگ کے
دوران اخبار کا نام ''الظفر'' رکھ دیا''۴۳

۱۸۵۷ء کی جنگ کے اختتام پر آزاد کے والد مولوی محمد باقر کو بلا قصور انگریزوں نے شہید کر دیا تو یہ بمشکل جان بچا کر لاہور پہنچے۔ پنڈت من پھول کی کوششوں سے سر رشتۂ تعلیم میں پندرہ روپیہ ماہانہ پر ملازم ہو گئے۔

تصنیفات وتالیفات

ان کی قابلیت کو حکومت نے پہچانا۔ لہذا ''قصص ہند'' اور مختلف ریڈریں لکھوائیں۔ انکی اہم کتاب ''آب حیات'' ہے جو فن تنقید کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ اس میں ان کا تبحر علمی اور اسلوب کی شوخی صاف دکھائی دیتی ہے۔ گرچہ یہ موجودہ تنقید کے

Marfat.com

معیار پر پوری نہیں اترتی پھر بھی اس کی بنیادی حیثیت سے کسی کو انکار نہیں۔

آزاد کی دوسری تصانیف 'نیرنگ خیال'، 'سخندان فارس'، 'دربار اکبری'، 'قند پارسی'، 'نگارستان فارس' اور جانورستان وغیرہ مشہور ہیں۔ نیرنگ خیال مضمون اور طرز تحریر دونوں لحاظ سے بہت دلچسپ ہے۔ سخندان فارس کے ذریعہ آزاد نے اردو والوں کو علم السنہ سے متعارف کرایا اور دربار اکبری کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لارڈ میکالے کی کتاب تاریخ انگلستان کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔[۴۴]

انجمن پنجاب لاہور کا قیام

آزاد کی ادبی و علمی زندگی کا سب سے روشن اور نمایاں پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب انہوں نے ڈاکٹر لائٹنر کے ساتھ مل کر مئی ۱۸۷۴ء میں انجمن پنجاب لاہور کی بنیاد رکھی اور جدید شاعری کا آغاز کیا۔ انہوں نے اردو ادب کو ایک نئی فکر اور جدید ذہن عطا کیا۔ غزل کے بجائے نظم کی اہمیت پر زور دیا۔ چنانچہ ۸ر مئی ۱۸۷۴ کو آزاد نے ایک مدلل تقریر کی۔ نمونہ کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اب رنگ زمانے کا کچھ اور ہے ذرا آنکھیں کھولیں گے تو دیکھیں گے فصاحت اور بلاغت کا عجائب خانہ کھلا ہے۔ جس میں یورپ کی زبانیں اپنی تصانیف کے گلدستے، ہار، طرّے ہاتھوں میں لئے حاضر ہیں اور بے چاری نظم خالی ہاتھ الگ کھڑی منہ دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب وہ بھی منتظر کھڑی ہے کہ کوئی صاحب ہمت ہو جو میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھائے۔ نئے انداز

Marfat.com

کے خلع وزیور جو آج کے مناسب حال
ہیں۔انگریزی صندوقوں میں بند پڑے
ہیں‘‘ ۴۵؎

آزاد کی یہ تقریر انجمن پنجاب کی ادبی تحریک کا منشور قرار دیا جاسکتا ہے اس موقع پر آزاد نے وہ تمام بنیادی مقاصد واضح طور پر بیان کردئے جو آزاد کا مطمح نظر تھے۔آزاد کا کہنا ہے کہ سادہ جذبات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے لئے بھاشا کا استعمال ضروری ہے۔چنانچہ بدیسی زبانوں کے بے محابا استعمال نے اردو کو نقصان پہنچایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آزاد نے برج بھاشا کو اردو کی ماں قرار دیا ہر چند کہ یہ نظریہ اب قابل قبول نہیں رہا تاہم آزاد کے اس بنیادی موقف کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا کہ اردو اسی سرزمین کی بولی ہے۔آزاد نے انجمن پنجاب لاہور کے اس جلسے کے اختتام پر اپنی مشہور نظم ''مثنوی شب قدر'' پڑھ کر سنائی۔کرنل ہالرائڈ کو آزاد کی نظم اور مضمون دونوں بہت پسند آئے اور تعریف میں کہا:

''اس وقت مولوی محمد حسین نے جو
مضمون پڑھا اور رات کی حالت پر اشعار
سنائے وہ بہت تعریف کے قابل ہیں۔یہ
نظم ایک عمدہ نمونہ اس طرز کا ہے جس کا
رواج مطلوب ہے'' ۴۶؎

انجمن پنجاب کے جلسے کے ایک اہم شاعر مولانا الطاف حسین حالؔی کا ذکر کردینا بھی ضروری ہے جن کا تعلق دہلی کالج کے حضرات سے رہا ہے۔انہوں نے اس موقع پر چار مثنویاں 'برسات'، 'امید'، 'رحم وانصاف'، اور 'حب وطن' کہیں۔حالؔی نے اپنی ان نظموں میں صرف قدیم اور جدید رنگ کی ہنرمندانہ پیوند کاری ہی نہیں کی بلکہ موضوعات کی تبدیلی اور نئے خیالات سے اردو نظم کو جدیدیت کی ڈگر پر ڈال کر اسے

Marfat.com

نئی شاعری کا امتیازی نشان بھی بنا دیا۔[۴۷]

انجمن پنجاب کے اس مشاعرے نے حالی کا ادبی مزاج بدلنے میں اتنا اہم کردار ادا کیا کہ وہ بالآخر مسدس مدوجزر اسلام جیسی اثر انگیز، مربوط اور مقبول نظم لکھنے پر قادر ہو گئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ولادت اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کے مشہور قصبہ نانوتہ میں جنوری ۱۸۳۳ء میں ہوئی ابتدائی تعلیم مروجہ طریقوں پر اپنے قصبہ کے مکتب میں حاصل کی اس کے بعد دیوبند جا کر ایک عالم مولوی مہتاب علی سے عربی صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں پھر اپنے ننھیال سہارنپور پہنچے اور اپنے نانا مولوی وجیہہ الدین کی سرپرستی میں تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھایا لیکن درمیان ہی میں کچھ عرصہ کے لئے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایک دفعہ مولانا مملوک علی نانوتوی اپنے گھر نانوتہ تشریف لائے تو اس ہونہار اور ذہین طالب علم پر آپ کی نظریں گئیں چنانچہ انہیں اپنے ساتھ دہلی لے آئے اور قدیم دہلی کالج میں داخلہ کرایا۔

قدیم دہلی کالج میں داخلہ

جنوری ۱۸۴۴ء میں قدیم دہلی کالج میں آپ کا داخلہ ہوا اور ۱۸۴۸ء تک تقریباً پانچ سال رہ کر آپ نے علوم وفنون کی تکمیل کی۔[۴۸] ۱۸۴۴ء میں جس سال حضرت نانوتوی قدیم دہلی کالج میں داخل ہوئے کالج کے نصاب میں ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ مشرقی و مغربی علوم کے شعبوں کو ضم کر دیا گیا چنانچہ اب عربی پڑھنے والے طلبہ کو حساب، جغرافیہ، جیومٹری، الجبرا، نیچرل فلسفہ، تاریخ اور معاشیات کا پڑھنا بھی لازمی قرار دیا گیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مولانا قاسم نانوتوی کی صلاحیت اور دیگر علوم میں

Marfat.com

مہارت میں چار چاند لگ گئے اس پورے عرصہ میں آپ کا کالج کے ممتاز اور نمایاں طلبہ میں شمار ہوتا رہا۔ مولانا مملوک علی نانوتوی کے صاحب زادے مولانا یعقوب صاحب جو آپکے درسی ساتھی ہیں، نے مولانا قاسم نانوتویؒ کی سوانح میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس سے آپ کی ذہانت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔

''چند روز میں چرچا ہوا کہ مولوی صاحب سب معمولی مقالے دیکھ چکے اور اور حساب پورا کرلیا، از بس کہ یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز تھا، طلبہ نے پوچھ تاچھ شروع کی یہ کب عاری تھے، ہر بات کا جواب باصواب تھا آخر منشی ذکاء اللہ چند سوال نئے کسی ماسٹر کے بھیجے ہوئے لائے اور وہ نہایت مشکل سوال تھے ان کے حل کرنے پر مولانا کی نہایت شہرت ہوئی اور حساب میں کچھ ایسا ہی حال تھا۔''[۴۹]

مفتی صدرالدین آزردہ سے تلمذ

انیسویں صدی میں دہلی کی ایک انتہائی مقتدر اور اہم شخصیت مفتی صدرالدین آزردہ کی تھی۔ یہ صدر الصدور (چیف جسٹس) کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ دہلی کالج میں یہ بحثیت ممتحن بلائے جاتے تھے کالج سے وابستہ افراد سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا خصوصاً مولوی مملوک علی نانوتوی سے یارانہ اور محبانہ روابط تھے اس لئے قرین قیاس

Marfat.com

ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کالج میں رہتے ہوئے ذاتی طور پر مفتی صاحب سے کچھ کتابیں یقیناً پڑھی ہوں گی حالانکہ سوانح قاسمی کے مصنف نے اس سے انکار کیا ہے لیکن تذکرۃ الرشید کے مصنف ایک جگہ رقم طراز ہیں۔

غدر کے بعد (حضرت گنگوہیؒ) کو دہلی تشریف لانے کا اتفاق ہوا تو مفتی صدر الدین صاحب سے ملنے تشریف لے گئے، مفتی صاحب نہایت ہی شفقت ومحبت سے ملے اور سب حالات پوچھنے لگے چنانچہ مولانا محمد قاسمؒ کو پوچھا کہ میاں قاسم کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مطبع میں تصحیح کرتے ہیں آٹھ یا دس روپیہ تنخواہ ہے تو مفتی صاحب نہایت تعجب کے ساتھ ران پر ہاتھ مار مار کر فرمانے لگے کہ قاسم ایسا سستا قاسم ایسا سستا'' ۵۰

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صدرالدین آزردہ مولانا قاسم صاحب سے واقف ہی نہیں بلکہ بے پناہ صلاحیت واستعداد سے باخبر تھے۔ ایک استاد ہی صحیح معنوں میں اپنے شاگرد کی صلاحیتوں کو بہتر طور پر پہچان سکتا ہے یہ بات اور یقین میں بدل جاتی ہے جب ایک مستند مورخ سید محمد میاں نے 'علماء ہند کا شاندار ماضی' میں اس خیال کی تائید کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''حجت الاسلام حضرت نانوتویؒ اور امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے دوسرے استاد مولانا مفتی صدرالدین صاحب تھے

Marfat.com

جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے
مشہور ومعروف تلمیذ اور اس خاندان کے
خاص عقیدت مندوں میں تھے۔'' ۵۱

لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کو مفتی صدرالدین آزردہ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل رہا مفتی صاحب کو ان کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ تھا یہی وجہ ہے کہ ان پر خصوصی توجہ بھی فرماتے رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا قاسم نانوتویؒ جیسا کہ گذر چکا ایک مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے، اس دوران ۱۸۵۷ء کا واقعہ پیش آیا، چونکہ مولانا مملوک علی نانوتویؒ نے انگریز دشمنی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، اس لئے ۱۸۵۷ء میں جنگ میں حصہ لینا یقینی بات تھی، چنانچہ شاملی کو محاذ بنایا۔ ۱۸۵۷ء کا واقعہ آزادی کی لڑائی تھی، یا غدر اور فوجی بغاوت اس پر میرا جی چاہتا ہے تھوڑی سی روشنی ڈال دوں، تاکہ یہ سمجھنے میں آسانی رہے کہ دہلی کالج کے تعلیم یافتہ حضرات بھی انگریزوں کی مخالفت کرنے پر مجبور کیوں ہوئے۔

۱۸۵۷ء: غدر، فوجی بغاوت یا جنگ آزادی کی پہلی کوشش

۱۸۵۷ء کے تاریخی واقعہ کے بارے میں مورخین کا بڑا اختلاف رہا ہے کچھ لوگ اسے صرف غدر پر محمول کرتے ہیں جبکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف فوجی بغاوت نہیں تھی بلکہ منظم طریقہ سے اور طے شدہ پروگرام کے تحت پورے شمالی ہندوستان میں بیک وقت انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ تھی۔ مالی سن (Malleson)، ٹرویلین (Trovelyan)، لارنس (Lawrence) اور ہومز (Holmes) جیسے انگریز مورخین نے اسے صرف فوجی بغاوت کہا ہے جو صرف فوج تک محدود تھا اور جسے عوام کی حمایت حاصل نہیں ہوئی۔ ۵۲ ہم عصر کچھ ہندوستانیوں کے خیال میں بھی یہ ایک

Marfat.com

غدر تھا، سر سید احمد خاں، منشی جیون لال اور معین الدین وغیرہ نے اسے غدر ہی کہا ہے اگر ان حضرات کی اس بات سے اتفاق کر لیا جائے کہ یہ فوجی بغاوت تھی تو یہ درست نہیں کیونکہ اس کا آغاز یقیناً فوجی بغاوت کی شکل میں ہوا لیکن سبھی جگہوں پر ہنگامہ کشت و خون فوج تک محدود نہیں رہا اور نہ ہی تمام فوجیوں نے اس میں حصہ لیا، فوج کا کچھ حصہ سرکار کی جانب سے لڑا اور باغی (حریت پسند؟) عوام کے ہر طبقہ سے آئے۔ اودھ میں اسے پوری عوامی حمایت حاصل تھی اسی طرح بہار کے کچھ ضلعوں میں ایسا ہی ہوا۔

بنجامن ڈزریلی (Benjamin Disraeli) جو انگلینڈ میں ہم عصر کنزرویٹو پارٹی کے اہم لیڈر تھے، نے اسے ایک 'قومی بغاوت' کہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بغاوت ایک اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک ہوشیاری سے اٹھائے گئے اقدام کا نتیجہ تھا اور وہ ایک منظّم اور منضبط کوششوں کا نتیجہ تھا جو موقع کے انتظار میں تھے...... حکومتوں کا عروج و زوال چربی والے کارتوسوں جیسے معاملے نہیں ہوتے...... ایسے انقلابات مناسب اور اطمینان بخش نتائج جمع ہونے سے ہوتے ہیں"۔[۵۳] ۱۹۵۷ء میں بھی ہندوستانیوں نے یہ صدی جس دھوم دھام سے منائی ہے اس سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک جنگ آزادی کی پہلی کوشش تھی۔ دو مستند مورخ ڈاکٹر ایس۔ بی، چودھری اور ڈاکٹر ایس، این، سین نے ثابت کیا ہے کہ یہ جنگ آزادی ہی تھی ایس، بی چودھری کے مطابق۔

"آزادی کی پہلی جنگ تو یہ تھی ہی
کیونکہ ہندوستانی تاریخ کے کینوس سے
غیر ملکیوں کے خلاف اتنے وسیع اشتراک
کو تلاش کرنا ناممکن ہے، جس میں بہت
سے لوگ اور بہت سے صوبے شامل ہوں

Marfat.com

.... ہندوستان میں لگا تار ایک سال
تک مسلسل جاری جنگ، جو تمام صوبوں
میں بیک وقت چلتی رہے اور جس کا مقصد
غیر ملکی اقتدار کو ہتک پہنچانا اور اکھاڑ پھینکنا
ہو، ایسا اس سے قبل کبھی ہندوستان میں
نہیں ہوا تھا۔'' ۵۴؎

اسی طرح ڈاکٹر سین کا خیال ہے کہ جو جنگ مذہب کی حفاظت کے لئے شروع ہوئی اس نے جلد ہی آزادی کی لڑائی کی شکل اختیار کرلیا اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ باغی ایک غیر ملکی حکومت کو ختم کرنا چاہتے تھے اور اس قدیم نظام کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے تھے جس میں دلی کا شہنشاہ ہی حقیقی حکمراں تھا۔ ۵۵؎

ایک اہم مقتدر، سنجیدہ اور متوازن فکر وخیال والے مورخ آر سی مجمدار ہیں، انہوں نے اپنی دو کتابوں میں ۱۸۵۷ء کے واقعہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ انقلاب الگ الگ جگہوں پر جداگانہ شکل اختیار کئے ہوئے تھا، کچھ صوبوں میں جیسے پنجاب اور مدھیہ پردیش میں یہ صرف فوجی بغاوت تھی جس میں بعد کو کچھ مضطرب افراد بھی شامل ہوگئے تھے دوسری جانب اتر پردیش، مدھیہ پردیش کے کچھ حصوں اور مغربی بہار میں اس فوجی بغاوت میں دیگر طبقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جس میں خصوصاً ریاستوں کے معزول حکمراں، زمیندار اور مزارع وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ حصوں مثلاً راجستھان اور مہاراشٹر میں عوام کی ہمدردی باغیوں کے ساتھ تھی لیکن انہوں نے عملی طور پر اس میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ آر سی مجمدار اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ یہ صرف فوجی بغاوت تھی جیسے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل بھی جگہ جگہ متعدد بار فوجیوں نے بغاوت کی تھی کیونکہ فوجیوں کے اپنے مفادات اور مطالبات تھے چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ انگریزوں کے خلاف لڑ رہے ان فوجیوں میں

Marfat.com

یہ جذبہ نہیں تھا کہ وہ ملک کی آزادی چاہتے ہیں۔۵۶؎

مورخین کی آراء اور خیالات میں ان اختلافات کے مدنظر اس واقعہ کا حقیقی ڈھانچہ کچھ بھی ہو لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ واقعہ برصغیر میں انگریزی اقتدار کے لئے ایک چیلنج کی علامت بن گیا۔ انگریزی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی جو روح بیدار ہو رہی تھی اور وطن پرستی کے جذبات بھڑک رہے تھے اسی دبی ہوئی چنگاری کا یہ ایک درخشاں نمونہ تھا، مزید برآں انگریزوں کے خلاف ملک کی آزادی کی جدوجہد اور لڑائی کے لئے حوصلہ اور ہمت فراہم کرتا رہا۔

اس تاریخی واقعہ سے متعلق لوگوں کی آراء کے تقابلی مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ نہ تو صرف فوجی بغاوت تھی اور نہ ہی وطن پرستی کے جذبہ سے سرشار ملک کی آزادی کی پہلی جنگ تھی، صرف فوجی بغاوت کہنا غلط ہوگا کیونکہ اس میں صرف فوج ہی نے حصہ نہیں لیا تھا اور نہ ہی تمام ملکی افواج نے حصہ لیا تھا البتہ یہ ضرور ہے کہ آغاز فوجی بغاوت سے ہوتا ہے۔ آزادی کی پہلی جنگ اس لئے نہیں ہوسکتی کہ وطن پرستی کا جذبہ مفقود تھا اور ملک گیر پیمانے پر عوام نے حصہ نہیں لیا تھا جیسا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں آزادی کی تحریک اور جدوجہد میں عوام وخواص کے ہر طبقہ نے حصہ لیا حتی کہ برطانوی حکومت متزلزل ہوگئی اور اس آزادی کی تحریک اور جدوجہد میں ہر ایک کا مقصد صرف اور صرف ملک کو آزاد کرانا تھا جبکہ ۱۸۵۷ء میں یہ بات نہ تھی، وہ صرف ردعمل تھا انگریزی پالیسیوں کے خلاف۔ چنانچہ انگریزی پالیسیوں سے جن کے مفاد ٹکرا رہے تھے انہوں نے ہی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس میں تین طبقہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے فوج، مذہبی رہنما اور معزول یا انگریزں کے عتاب کا نشانہ بنے ریاستی حکمراں، تعلقہ دار اور زمیندار۔

فوج نے جو حصہ لیا اس کی وجہ کچھ بھی ہو چاہے گائے اور سور کی چربی کی ملاوٹ سے بنے کارتوس ہوں یا اور کچھ لیکن اس کے علاوہ بھی کئی اسباب تھے جس بنا پر فوج

Marfat.com

پہلے بھی کئی بار بغاوت کر چکی تھی۔ دوسرا ایک بڑا طبقہ جس نے اس لڑائی میں قائدانہ کردار ادا کیا وہ پہلے سے انگریزوں سے خار کھائے بیٹھا تھا کیونکہ انگریزوں نے انکی ریاستوں کو ختم کر دیا تھا یا اختیارات کو محدود کر کے برائے نام باقی رکھا، ایسے لوگوں میں اودھ کی بیگم حضرت محل، جھانسی کی رانی لکشمی بائی، مراٹھا لیڈر نانا صاحب اور تانتیا ٹوپے، بریلی کے خان بہادر خاں اور جگدیش پور کے زمیندار کنور سنگھ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ تیسرا طبقہ جس نے ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ مذہبی رہنماؤں خصوصاً مسلم علماء کا تھا۔ انگریز ہندوستان کی تاریخ میں پچھلے تمام حملہ آوروں اور فاتح قوموں سے بالکل مختلف تھے کیونکہ اس سے پہلے کبھی فاتح قوم یا حکمراں طبقہ نے اپنے مذہب کی تبلیغ کو دستور یا مینی فیسٹو میں شامل نہیں کیا۔ کمپنی کے صدر مسٹر مینگلس (Mr Mangles) نے دارالعوام (House of Commons) میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

> ''قدرت کی مہربانی سے ہندوستان
> جیسا عظیم ملک برطانیہ کو ملا ہے تاکہ عیسائی
> مذہب کا پرچم ہندوستان کے ایک سرے
> سے دوسرے سرے تک لہرا سکے، ہر شخص
> کو جلد از جلد تمام ہندوستان کو عیسائی
> بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں اپنی
> تمام طاقت صرف کر دینی چاہیئے۔'' ۵۷

اسی طرح میجر ایڈورڈس (Major Edwards) نے کہا تھا، ہندوستان پر ہمارے قبضہ کا آخری مقصد ملک کو عیسائی بنانا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے عملی طور پر تربیت یافتہ عیسائی مشنریوں کو حکومت نے میدان میں اتارا، بائبل اور دیگر مذہبی لٹریچر کی اشاعت کی خاطر امریکن مشنری سوسائٹی (AMS) نے آگرہ میں ایک بہت بڑا

Marfat.com

پرنٹنگ پریس قائم کیا۔ یہ عیسائی مبلغین پورے ملک میں پھیل گئے جنہیں انگریزی حکومت کی پوری پشت پناہی حاصل تھی انہیں ہر طرح کی سہولیات، حفاظتی بندوبست اور مراعات سے نوازا جاتا۔ یہ لوگ عوامی جگہوں، مذہبی جلسوں، تیوہاروں، میلوں ٹھیلوں اور بازاروں میں پہنچتے جہاں ہندوانہ رسم و رواج اور مذہبی عقائد کا مذاق اڑاتے، پیغمبر اسلام ﷺ پر رکیک قسم کے حملے کرتے۔ یہ مبلغین ہندوستانی زبان پر پوری دسترس حاصل کر کے بے تکان بولتے، لٹریچر تقسیم کرتے اور عوام کو تذبذب اور شک میں ڈال کر علماء کو چیلنج کرتے چنانچہ مذہبی مباحثوں اور مناظروں کا ایک سلسلہ چل پڑا، ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے تین سال قبل ایک مشہور مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے عیسائی مبلغ پادری فنڈر کو آگرہ میں بری طرح شکست دی۔[۵۸] اس صورتِ حال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علماء کا طبقہ انگریزوں سے کیوں نفرت کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کو اٹھانے پر بھی مجبور ہوئے انہیں موقع کی تلاش تھی چنانچہ ۱۸۵۷ء میں یہ موقع ہاتھ آیا اس جنگ میں علماء و مشائخ کی ایک بڑی تعداد نے حصہ لیا ایسے ہی علماء میں مولانا قاسم نانوتویؒ کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے شاملی کے محاذ پر معرکہ آرائی کی۔

شاملی میں محاذ آرائی

اس محاذ میں حاجی امداد اللہ تھانویؒ کو امیر منتخب کیا گیا ان کے ساتھ لڑنے والی علماء کی جماعت میں مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ قابل ذکر ہیں۔ شاملی ضلع مظفر نگر کی ایک تحصیل ہے یہاں پر انگریزوں کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی اس فوج اور علماء کی جماعت میں سخت مقابلہ ہوا، اسی معرکہ میں حافظ ضامن لڑتے ہوئے شہید بھی ہوئے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا، مجاہدین نے شاملی پر قبضہ کر لیا لیکن یہ فتح دیرپا ثابت نہیں ہوئی، جلد ہی انگریزوں

Marfat.com

نے دہلی پر قبضہ کر کے اطراف وجوانب کا رخ کیا ان مجاہدین کی گرفتاری کے لئے انگریزوں نے مخبروں کا جال پھیلا دیا۔ حاجی امداد اللہ تھانویؒ کسی طرح بچ کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار کئے گئے چھ ماہ تک مقدمہ چلنے کے بعد رہا کر دئے گئے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ روپوش ہو کر اپنی جگہ بدلتے رہے انگریزوں کو ان کی سخت تلاش تھی، متعدد بار انگریز افسران سے سامنا بھی ہوا لیکن وہ اپنی ذہانت سے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بالآخر ڈیڑھ سال کے بعد نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا تو روپوشی اور عسرت والی زندگی کا خاتمہ ہوا۔

اب مولانا قاسم نانوتوی کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل اور ان کی بقاء کا سوال تھا کیونکہ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے واقعہ میں تمام تر مسلمانوں کو ہی موردِ الزام ٹھہرایا تھا اور انہیں پر ظلم بھی ڈھایا تھا، یہ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے المناک اور دردناک دور تھا، ہزاروں علماء اور لاکھوں مسلمانوں کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا اربوں کی املاک اور جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ غرضیکہ ہر طرح سے مسلمانوں کو ہر طرح سے دبانے اور ان کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی، ملکہ وکٹوریہ کی عام معافی کے اعلان کے بعد جب ظلم وستم کا یہ طوفان تھما تو علماء اور قوم کے مخلص قائدین نے اپنے اپنے طرز سے مسلمانوں کی فلاح اور ان کی بقاء کے لئے عملی قدم اٹھائے۔ مولانا قاسم نانوتوی نے اسلامی تشخص اور علوم دینیہ میں ان مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی سعی کی۔ لہٰذا احیائے اسلام اور احیائے علوم کا نقطۂ نظر ان کے سامنے رہا، اس سلسلے میں انہوں نے قصبہ ''دیوبند'' میں ایک ''ادارہ'' قائم کیا جس میں اس بات کا خاص دھیان دیا گیا کہ اس کا تعلق اور تعاون حکومت کے بجائے صرف عوام سے ہو۔ اس ادارہ نے جلد ہی ''دارالعلوم دیوبند'' نام سے ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ تعلیم گاہ کی شکل اختیار کر لی جہاں بیرون ملک کے طلبہ بھی بڑی تعداد میں تحصیل علم

Marfat.com

کے غرض سے آنے لگے، ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں یقیناً یہ بڑا کامیاب تجربہ تھا کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بقاء، صحیح اسلامی تصویر، تشخص اور تمدن کی حفاظت میں اس ادارہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

دارالعلوم دیوبند کا قیام انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں قصبہ کی ایک قدیم مسجد میں عمل میں آیا، بغیر کسی تقریب یا ظاہری نمائش کے سادگی کے ساتھ تعلیم کا آغاز کردیا گیا سید محبوب رضوی رقم طراز ہیں۔

> "۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء بروز پنج شنبہ (جمعرات) چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا۔ حضرت مولانا ملا محمود دیوبندی کو جو علم و فضل میں بلند پایہ عالم تھے مدرس مقرر کیا گیا، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۵۹ دارالعلوم کے وہ اولین شاگرد تھے جنہوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی۔" ۶۰

تحریک دارالعلوم دیوبند کے محرکین میں مولانا قاسم نانوتوی کے علاوہ مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا رفیع الدین اور حاجی محمد عابد کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ موخر الذکر دونوں

Marfat.com

حضرات کے علاوہ بقیہ چاروں محرکین دہلی کالج کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ ان کا تعلق دہلی کالج کے مشرقی شعبہ سے تھا اور یہ تمام حضرات مولوی مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے جو ولی اللہی نظریات کی ترجمانی کررہے تھے یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم میں مشرقی اور اسلامی علوم پر ہی توجہ دی گئی، شاہ ولی اللہ نے ہندوستان میں حدیث وتفسیر کے علوم کو رائج کیا تھا اور تقریباً ایک صدی تک اسی خانوادے نے دہلی میں ان علوم کو زندہ رکھا لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا، دارالعلوم دیوبند نے اپنے قیام کے روز سے ہی اسے من وعن قبول کر کے قرآن وحدیث کے علوم کو جس کا چشمہ دہلی میں خشک ہو چکا تھا دوبارہ دیوبند میں جاری کردیا۔

دارالعلوم دیوبند کے بانیان کا یہ اخلاص تھا کہ اس ادارہ نے حیرت انگیز طور پر بڑی جلدی ترقی کر کے پورے عالم میں ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی کے طور پر شہرت حاصل کرلی۔ بیرون ملک کے طلبہ بڑی تعداد میں آنے لگے، اس نے اپنی تاریخ میں ہزاروں کی تعداد میں مفسر، محدث، فقیہ، محقق، مصنف، بلند پایہ ادیب، صحافی، طبیب، مناظر، مقرر، مبلغ، مدرس اور مشائخ تیار کئے۔ دارالعلوم میں اکثر ملک وبیرون ملک کے وزراء، حکام، دانشور، صحافی، محقق اور سیاسی قائدین اور اعلیٰ عہدے دار آتے رہے ہیں ان میں سے صرف دو کے تاثرات نقل کرنا چاہوں گا۔

آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ کے پرفیسر 'گرے ونٹ' نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ
مجھے دیوبند دیکھنے کا اتفاق ہوا، میں نے
دیکھا کہ قدیم اسلامی کلچر اب بھی یہاں
پوری آب وتاب سے درخشاں ہیں ایک
مورخ کے لئے اس سے زیادہ روشن مواقع

Marfat.com

کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔"۶۱؎

اسی طرح بوڈاپیسٹ یونیورسٹی ہنگری کے "ڈی جولیس جرمینس" کا کہنا ہے۔

"میں نے خود اپنے ملک میں دیوبند
کے مدرسہ کے بارے میں سنا مجھے ہمیشہ
سے شوق تھا کہ علوم اور اسلامی اسپرٹ
کے اس قلعہ کو دیکھوں، ترکی اور مصر کے
قدیم مدرسوں کے بعد جو مسجدوں میں قائم
کئے جاتے ہیں مجھے عربی اور تعلیمات
اسلامی کی اس گہرائی اور جدوجہد کو دیکھ اور
بھی زیادہ حیرت ہوئی جو اس مدرسہ کے
درودیوار میں دائرِ وسائر ہے۔"۶۲؎

مولانا قاسم نانوتوی اور جدید تعلیم

۱۸۵۷ء سے قبل عربی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ سرکاری ملازمتوں میں لئے جاتے تھے کیونکہ دفتری زبان فارسی تھی اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی عربی مدارس کے بجائے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے سند حاصل کرنے والے ہی سرکاری ملازمتوں میں لئے جانے لگے، چنانچہ عربی مدارس میں جدید علوم پڑھنے کے باوجود ملازمتوں میں لیا جانا ناممکن تھا یہی وجہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند میں جدید علوم سے صرف نظر کر کے اسلامی علوم کو ہی نصاب میں رکھا ہے ان کا کہنا تھا کہ۔

"جو جدید علوم پڑھنا چاہیں ان کو
انگریزی اسکولوں میں جانا چاہئے دونوں

Marfat.com

طرح کے علوم کی مخلوط تعلیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ
طالب علم کسی بھی علم وفن میں درجۂ کمال
حاصل نہیں کرسکتا، نہ اسے جدید علوم
حاصل ہوں گے نہ قدیم۔'' ۶۳

مولانا قاسم نانوتوی نے یہ فیصلہ انگریزی تعلیم سے نفرت کی وجہ سے نہیں بلکہ دینی تعلیم میں خامی کے اندیشے سے فرمایا تھا۔ جدید علوم کو حاصل کرنے سے مولانا نانوتوی نے کبھی منع نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی مخالفت کی۔ سرسید مرحوم سے ان کے قریبی روابط تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمی تحریک کے خلاف کبھی ایک لفظ نہیں کہا انہیں یقین تھا کہ اس تعلیم سے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو بہر حال فائدہ پہنچے گا دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کبھی کسی زبان کے سیکھنے سے نہیں روکتا بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے، سرسید مرحوم کی تعریف میں ایک جگہ مولانا نانوتویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''سید صاحب کی اولو العزمی اور
دردمندیٔ اہل اسلام کا معتقد ہوں اور اس
وجہ سے ان کی نسبت اظہار محبت کروں
تو بجا ہے۔'' ۶۴

ہاں بعض مذہبی عقائد میں وہ سرسید سے اختلاف رکھتے تھے لیکن جہاں تک تعلیم کی بات ہے نہ تو حضرت نانوتوی نے سرسید کی مخالفت کی اور نہ ہی سرسید نے نانوتوی کے طریقۂ کار کو بیکار سمجھا۔ علماء دیوبند نے سرسید کو کبھی بھی طنز وتعریض کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ جن حضرات نے سرسید کی بڑی شدید مخالفت کی اور کفر کا فتویٰ حجاز سے لے کر آئے وہ خود سرکاری ملازم تھے ان میں مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کانپور اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھپور پیش پیش تھے حیات جاوید میں حالی نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

بہر حال حضرت نانوتوی کو جدید علوم سے نفرت نہیں تھی اور نہ ہی اس کی تحصیل کو نقصان دہ سمجھتے تھے البتہ بعض مصالح کی بناء پر وہ مدارس خصوصاً دارالعلوم میں جدید علوم کو شامل کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے ان کے نزدیک مسلمانوں کی معاشی آسودگی سے زیادہ اہم مسئلہ ہندوستان میں اسلامی نشاۃ ثانیہ اور ملی تشخص کی بقاء اور وجود کو ممکن بنانا تھا اور یہ اسی وقت ہوسکتا تھا جب مغربی افکار کی یلغار سے تحفظ کی خاطر ایک اسلامی علوم وثقافت کا مضبوط حصار دارالعلوم کی شکل میں قائم ہو جائے۔ دارالعلوم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور مشاہیر عالم کے تاثرات کو پڑھنے کے بعد ایک بات جو قدرے مشترک نظر آتی ہے وہ یہی کہ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اسلامی علوم کے نشاۃ ثانیہ کا مرکز اور مسلمانوں کے تشخص اور تہذیب وثقافت کا حقیقی ضامن ہے۔

سرسید مرحوم اور مولانا قاسم نانوتویؒ

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ نامکمل رہ جائے گی جب تک سرسید مرحوم اور مولانا قاسم نانوتویؒ کے کارناموں کا ذکر نہ کیا جائے دونوں حضرات قوم کے انتہائی مخلص تھے جیسا کہ معلوم ہے سرسید نے جدید علوم اور مولانا قاسم نانوتویؒ نے اسلامی علوم میں مسلمانوں کی ترقی، تحفظ اور بہتر مستقبل کو تلاش کیا اور اس کے فروغ میں مسلسل کوشاں رہے عجیب بات ہے کہ بعض مذہبی معاملات میں شدید اختلافات رکھنے کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے مشن میں ہر طرح سے مکمل تعاون کرتے تھے حضرت نانوتویؒ سرسید کے اخلاص کے بڑے قدرداں تھے انہیں مستحسن نظروں سے دیکھتے اور جدید علوم کو حاصل کرنے کی پذیرائی کرتے تھے ادھر سرسید مرحوم بھی مدرسہ دیوبند کو وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھتے اور اس سلسلے میں تہذیب الاخلاق میں لکھتے رہتے چنانچہ یکم جمادی الثانی ۱۲۹۰ھ کے تہذیب الاخلاق میں ''عربی مدرسہ دیوبند اور مسلمانوں کا جھوٹا دعویٰ دینداری'' کے عنوان پر تین صفحہ کا ایک مقالہ تحریر کیا جو پڑھنے سے تعلق

Marfat.com

رکھتا ہے مولوی رفیع الدین مہتمم مدرسہ عربی دیوبند نے مدرسہ کی رپورٹ سالانہ ۱۲۶۹ھ سرسید مرحوم کے پاس بھیجی یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ سرسید اور ارباب دیوبند میں کس قدر تعلق تھا۔ اس رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد سرسید نے تہذیب الاخلاق کے صفحات پر ایک درد بھری تحریر لکھی جس میں مسلمانوں کی بے حسی پر اظہار افسوس کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''اول بلحاظ مسلمانوں کے جوش مذہبی کے ہم سمجھتے تھے کہ جو مدرسہ ہم قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں علوم انگریزی اور دیگر علوم دنیاوی بشمول علوم دینی پڑھائیں گے۔ اس پر جو پکے مسلمان یا متعصب دین دار اعتراض کرتے ہیں اور اس کو کرسٹانی مدرسہ ٹھہراتے ہیں اور اسی سبب سے لوگوں کو اس میں چندہ دینے سے منع کرتے ہیں تو عربی مدرسہ دیوبند جس میں بجز مسلمانی کے اور کچھ نہیں ہے جس میں وہی پرانے علوم پڑھائے جاتے ہیں جن کو مسلمان چاہتے ہیں بڑے بڑے مسلمانوں نے ضرور مدد کی ہوگی مگر رپورٹ کے دیکھنے سے ہم کو نہایت مایوسی ہوئی.......... مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ ایسے مدرسہ میں جیسا کہ دیوبند کا عربی مدرسہ ہے جس میں مولوی محمد قاسم سا

Marfat.com

فرشتہ سیرت شخص نگراں ہے اور مولوی محمد
یعقوب صاحب سا شخص مدرس ہے کچھ
مدد نہ کریں۔" ٦٥

آگے طلبہ کی تعداد، صلاحیت اور انعامات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔

"قوم کا مسلمانی مدرسہ اور ایسی خراب
اور محتاج حالت میں ہے کہاں ہیں بڑے
بڑے دینداری کا دعویٰ کرنے والے اور
کیوں مذہب اسلام کو ایسی حالت میں
ڈال رکھا ہے .... ہماری غرض اس
تحریر سے مسلمانوں کو اس بات کی غیرت
دلانا ہے کہ ان کے دونوں کام دین ودنیا
سب خراب اور ابتر ہیں ان کو چاہئے کہ اس
مدرسہ کی ایسی مدد کریں اور ایسی اعلیٰ ترقی
پر پہنچائیں جو اسلام کی رونق وشان کا نمونہ
ہو۔" ٦٦

مولانا قاسم نانوتویؒ کے انتقال پر بہت لوگوں نے تعزیتی تحریریں لکھیں لیکن جو تحریر سرسید نے لکھی وہ بے مثال ہے شاید کسی اور نے ایسی تعزیتی تحریر نہ لکھی ہو۔ یہ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ سرسید اور حضرت نانوتوی میں کس قدر تعلق تھا۔ یہ تحریر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ٢٤/ اپریل ١٨٨٠ء کے صفحہ ٤٦٧ اور ٤٦٨ پر شائع ہوئی، اس کے چند اقتباسات میں نقل کرتا ہوں۔

"افسوس ہے کہ جناب ممدوح

Marfat.com

(حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ) نے
۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری
میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا۔ زمانہ
بہتوں کو رویا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو
روئے گا۔ لیکن ایسے شخص کے لئے جس
کے بعد اس کا کوئی جانشیں نظر نہ آئے
تو نہایت رنج وغم اور افسوس کا باعث
ہوتا ہے۔" ۶۷

ان کے کمال بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں۔

"مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال
نیکی اور دین داری اور تقوی اور ورع اور
مسکینی سے ثابت کردیا کہ اس دلی کی تعلیم
وتربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق
صاحب کی مثل اور شخص کو بھی خدا نے
پیدا کیا ہے بلکہ چند باتوں میں ان سے
زیادہ" ۶۸

مدرسہ دیوبند کو ان کی یادگار بتاتے ہوئے اس سے مکمل تعاون کی اپیل کرتے ہیں۔

"دیوبند کا مدرسہ ان کی نہایت عمدہ
یادگاری ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ
ایسی کوششیں کریں کہ وہ مدرسہ ہمیشہ قائم
اور مستقل رہے اور اس کے ذریعہ سے تمام

Marfat.com

قوم کے دل پر انکی یادگاری کا نقش

جمار ہے۔'' ۶۹؎

الغرض سرسید مرحوم اور حضرت نانوتوی میں بعض اختلافات کے باوجود مقصدیت میں بڑی حد تک یگانگت اور مماثلث پائی جاتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ایک دوسرے کے لئے عزت واحترام اور توقیر کا جذبہ پیدا کیا اور ان دونوں کے خلوص وللّٰہیت اور ہندوستان میں مسلمان اور اسلام کے مستقبل کی فکر نے ہی علی گڑھ اور دیوبند کو وہ مقام عطا کیا اور اس نے وہ خدمت انجام دی کہ کوئی بھی ان دونوں کی ہمسری نہ کرسکا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

ابتدائی تعلیم مروجہ طریقوں سے حاصل کرنے کے بعد ۱۲۶۱ھ میں دہلی پہنچے اور آپ نے قدیم دہلی کالج میں داخلہ لیا اور چار سال کی مدت تک آپ نے کالج میں قیام کیا آپ نے زمانہ طالب علمی سے لے کر جہاد شاملی، قیام دار العلوم بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر حضرت نانوتویؒ کا ساتھ دیا۔ دونوں میں اتنا گہرا تعلق تھا کہ جس کی مثال مشکل سے ملے گی دہلی کالج میں دونوں مولانا مملوک علی کے شاگرد تو طریقت میں حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی کے دامن سے وابستہ تھے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں حاجی صاحب کی زیر قیادت شاملی کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے ۶ ماہ تک قید میں رہے بعد میں مظفر نگر جیل سے رہا کردئے گئے آخر عمر تک اپنے وطن قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں قیام فرمایا اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا یہ سلسلہ نصف صدی پر محیط ہے یہاں ملک اور بیرون ملک کے طلبہ کثیر تعداد میں آتے تھے آخر عمر تک دار العلوم کے سرپرست رہے ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا اور گنگوہ میں ہی مدفون ہیں ان کی کئی اہم تصانیف بھی ہیں انہیں احیائے سنت کے لئے پہچانا جاتا ہے۔ ۷۰؎

Marfat.com

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی

مولانا ذوالفقار علیؒ کا دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے والد ماجد ہیں قدیم دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر رہے اس کے بعد محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ عربی زبان وادب پر کمال حاصل تھا چنانچہ عربی کی مختلف کتابوں کا اردو زبان میں آسان، عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔ معانی و بیان میں ''تذکرۃ البلاغت'' اور ریاضی میں ''تسہیل الحساب'' ان کی مشہور کتابیں ہیں گارساں دتاسی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے
چند سال کے لئے بریلی کالج میں پروفیسر
ہو گئے ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر
مدارس تھے۔ مسٹر ٹیلر ان سے واقف تھے
ان کا بیان ہے کہ ذوالفقار علی ذہین
اور طباع ہونے کے علاوہ فارسی اور مغربی
علوم سے بھی واقف تھے انہوں نے
اردو میں تسہیل الحساب کے نام سے ایک
کتاب لکھی ہے جو بریلی میں ۱۸۵۲ء میں
شائع ہوئی۔'' اے

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ رہے ۱۹۰۴ء میں بعمر ۸۵ سال انتقال فرمایا۔

Marfat.com

مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیوبندی

مولانا فضل الرحمٰن نے بھی دہلی کالج میں مولانا مملوک علی سے تعلیم حاصل کی یہ بھی دارالعلوم کے بانیوں میں تھے۔فارسی واردو کے بلند پایہ ادیب وشاعر تھے دیوبند میں ۱۸۸۳ء میں زبردست طاعون پھیلا تھا اس کی تباہ کاریوں کو انہوں نے فارسی میں نظم کیا ہے۔محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر فائز رہے، بریلی، بجنوراور سہارنپوراضلاع میں تعینات رہے ۱۹۰۷ء میں انتقال فرمایا ان کے فرزندوں میں مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دارالعلوم دیوبند اور مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام قابل ذکر ہیں۔۲ے

مولانا مظہر نانوتوی

ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ نانوتہ میں حاصل کرنے کے بعد قدیم دہلی کالج پہنچے اور وہاں سے فراغت حاصل کی اس کے بعد لکھنؤ میں مطبع نول کشور میں تصحیح کی ملازمت اختیار کی پھر وہاں سے مدرسہ سہارنپور آئے اور اپنی محنت ولگن سے مدرسہ کو کافی ترقی دی اس کا تعلیمی معیار بلند ہوگیا۔طلبہ بھی کثیر تعداد میں آنے لگے جس سے اس کی مرکزیت میں اضافہ ہوا ارباب مدارس نے ان کی خدمات کے پیش نظر مدرسہ کا نام ان کے ساتھ منسوب کر کے مظاہر علوم کر دیا ۱۸۵۰ء میں انتقال فرمایا۔۳ے

مولانا احسن نانوتوی

یہ مولانا مظہر نانوتوی کے حقیقی بھائی تھے ابتدائی تعلیم کے بعد آپ دہلی پہنچے اور قدیم دہلی کالج میں تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔ فراغت کے بعد بریلی کالج میں استاد ہوئے ان کا مطالعہ بڑا وسیع اور مختلف صلاحیتوں کے مالک تھے ان کی تصانیف

Marfat.com

کثیر تعداد میں ہیں۔ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا ''مذاق العارفین'' نام سے اور ''کنز الدقائق'' کا ترجمہ ''احسن المسائل'' نام سے ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ درمختار کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے، شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی حجت اللہ البالغہ کی تصحیح کی اور ان پر حاشیہ لکھا، ''احسن البضاعہ فی مسائل الرضاعۃ'' بھی ان کی تصنیف ہے۔ ۴ے

مولانا منیر نانوتوی

مولانا منیر نانوتویؒ مولانا مظہر نانوتوی کے حقیقی بھائی تھے ابتدائی تعلیم کے بعد نانوتہ سے دہلی گئے اور قدیم دہلی کالج میں مولانا مملوک علی نانوتوی سے تلمذ حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عملی طور پر حصہ لیا، کچھ عرصہ تک بریلی میں ملازمت کی اس کے بعد دیوبند آئے اور دارالعلوم کا اہتمام سنبھالا دو سال تک اس منصب پر رہے ۱۸۸۵ء میں انتقال فرمایا۔ ۵ے

مولانا یعقوب نانوتوی

یہ مولانا مملوک علی نانوتوی کے صاحب زادے اور بڑے جید عالم تھے۔ قدیم دہلی کالج سے تحصیل علم کے بعد مختلف مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد انہیں وہاں بلالیا گیا اور تاحیات اس کے صدر مدرس رہے انتقال جنوری ۱۸۵۸ء میں ہوا۔ ۶ے

پنڈت موتی لال بسمل

قدیم دلی کالج کی ایک اہم شخصیت پنڈت موتی لال بسمل دہلوی کی تھی۔ جو دلی کالج کے نہایت ممتاز طلباء میں سے تھے۔ انگریزی مضمون نویسی میں انہوں نے دو تمغے بھی حاصل کئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اخبار ''قران السعدین'' کے ایڈیٹر

Marfat.com

رہے۔ بعد میں بورڈ آف ایڈمینسٹریشن لاہور کے فارسی مترجم اس کے بعد اکسٹرا جوڈیشیل اسسٹنٹ اور آخر میں ڈسٹرکٹ جج ہو کر سبکدوش ہوئے۔۷۷

تصانیف

پنڈت موتی لال بسملؔ کو غیر علمی و ادبی مصروفیتوں میں بھی علمی ذوق باقی رہا اور تصنیفی کام انجام دیا۔ تعلیم نسواں اور صغر سنی کی شادی پر انگریزی میں دو رسالے لکھے۸۷۔ دو کتابیں ''مسمر یزم'' کے موضوع پر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیں۔ پلوتارک کے تذکرہ سسرو کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اردو، فارسی میں بڑی مہارت تھی۔ شاعر بھی تھے۔ بسملؔ تخلص تھا۔ زبان سلیس، شیریں ہے۔ انداز بیان بھی والہانہ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خالِ لب اِس آفت جاں کا
بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا

بہا دیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی بھی ہم
اٹھا دیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشمِ گریاں کا

چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایہ قد کو
فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا۹۷

منشی شیونرائن

منشی شیونرائن بھی دہلی کالج کے ذہین اور ہونہار طالب علموں میں سے تھے اور فارسی کے علاوہ انگریزی بھی جانتے تھے۔ انگریزی، مشہور لغت نویس ڈاکٹر فیلن سے پڑھی۔ غدر سے قبل دہلی کالج میں پروفیسر بھی رہے۔ ۱۸۵۶ء میں 'مفید خلائق پریس' اور نومبر ۱۸۵۶ ہی میں مفید خلائق رسالہ جاری کیا۔۸۰

Marfat.com

مفید خلائق پریس کافی عرصہ تک قائم رہا جہاں سے اس وقت کے مشہور اخبارات ورسائل شائع ہوتے تھے جن میں مرزا غالبؔ کی غزلیں بھی چھپتی تھیں۔ یہ وہی منشی شیونرائن ہیں جنھوں نے مرزا غالبؔ سے ان کے دیوان چھاپنے کی خواہش کی۔ لیکن کسی بناء پر وہاں سے دیوان تو نہ چھپ سکا البتہ غالب کی تصنیف 'دستنبو' چھپی اور منشی جی ہی کے ہاتھوں فروخت ہوئی۔ ۸۱

منشی شیونرائن اردو و ہندی کے اچھے ادیب تھے تذکرہ دیماسی تھینز (پلوٹارک) کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ہندستان کا ایک جغرافیہ اردو میں لکھا 'ارفورٹ' کے رسالے میں علم طبیعات کا ترجمہ سروپ نرائن کے تعاون سے کیا اور مفید الانشاء امین الدین' کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ شیونرائن شاعر بھی تھے آرام تخلص تھا بدقسمتی سے کلام دستیاب نہ ہوسکا صرف ایک غزل ہے جس کے دوشعر ہیں:

اسی کو زندگی کا لطف ہے اس دارِ فانی میں
کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھہرے

قیام اپنا ہو اس محنت سرائے دہر میں کیونکر
جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے ۸۲

رائے حکم چند

رائے حکم چند کا شمار دہلی کالج کے ان طلباء میں ہوتا ہے جن پر کالج کو بجا طور پر فخر ہے۔ آپ دہلی کے محلہ باڑہ ہندو راؤ میں رہتے تھے۔ بڑے ذہین تھے ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کی ۱۸۶۹ء میں ایم.اے کا امتحان دیا۔ کلکتہ یونیورسٹی میں اول نمبر پر آئے اور انعامات سے نوازا گیا۔ دہلی کالج کے لئے یہ بڑے فخر کی بات تھی کیونکہ دہلی کالج کی حیثیت بنگال کے کالجوں اور یونیورسٹی کے مقابلے میں بہر حال کمتر تھی۔ اس وجہ سے کہ بنگال علمی ترقی میں بہت آگے بڑھ چکا تھا۔

Marfat.com

دہلی کالج کی سالانہ رپورٹ دہلی کے ہفتہ وار اخبار اکمل الاخبار میں شائع ہوتی رہتی تھی ۱۸۶۹ء کی سالانہ رپورٹ ۲۲ اپریل ۱۸۶۹ء کے دن شائع ہوئی جس میں اساتذہ کی خدمت، پرنسپل کے حسنِ انتظام اور طلباء کے انعامات کے ساتھ رائے حکم چند کی کامیابی کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

> ''انعام یافتہ طلباء میں پہلا نام لالہ سری رام کا ہے جنھوں نے بی.اے کا امتحان پاس کیا۔ جس کے عوض کمشنر بہادر دہلی کے ہاتھوں ایک طلائی تمغہ اور چند کتابیں انعام میں دی گئیں۔ دوسرے طالب علم لالہ حکم چند کو نقرئی تمغہ اور کتابیں انعام میں ملیں، جو ریاضی میں پورے پنجاب میں اول مقام پر رہے''۸۳

آپ نے حیدر آباد (دکن) اور جوڈیشنل سروس پنجاب میں ملازمت کی۔ ۱۸۸۲ء میں استعفیٰ دے دیا اور علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ تعزیرات ہند، ضابطہ فوجداری کی اردو شرح بھی لکھی۔ ایک ماہانہ قانونی رسالہ جاری کیا۔ لا آف کنسنٹ (Law of Consent) کا اردو ترجمہ کیا۔ جس میں دقیق سے دقیق قانونی اصطلاحوں کو سہل اور پانی کی طرح بہا دیا۔۸۴

مولوی کریم الدین پانی پتی

دلی کالج کے ایک مایہ ناز طالب علم مولوی کریم الدین تھے۔ جو دراصل حالی کے وطن پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی کالج میں داخل ہوئے اور پوری محنت و لگن سے آخر عمر تک علمی کام میں مشغول رہے۔ ۱۸۵۴ء

Marfat.com

میں آگرہ کالج میں اردو کے معلم اور ۱۸۶۴ء میں سررشتہ دار عدالت لاہور میں ملازم رہے۔[۸۵] دہلی میں ایک مطبع قائم کیا تھا[۸۶]۔ کچھ عرصہ تک ہر ماہ اپنے مکان پر مشاعرہ منعقد کرتے تھے اس میں پڑھا جانے والا کلام ''گلِ رعنا'' کے نام سے شائع کرتے تھے۔[۸۷]

مولوی کریم الدین کی سب سے بڑی خدمت تاریخ، تذکرہ، جغرافیہ، علم ریاضی، قواعد، تعلیم اور علوم صحیحہ جیسے مختلف موضوعات پر تصنیف و تالیف اور تراجم کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے قاضی عبدالودود نے اس طرح کی ۳۴ کتابوں کی فہرست پیش کی ہے۔[۸۸]

تذکرہ نگاری

مولوی کریم الدین کو سب سے زیادہ دلچسپی تذکرہ نگاری سے تھی اور اسی سے ان کی شہرت بھی ہوئی بلکہ انھوں نے اپنی علمی و ادبی زندگی کا آغاز ہی تذکرہ نگاری سے کیا اور تاعمر اس میں دلچسپی لیتے رہے۔ ان کے تذکروں میں گلدستہ نازنیناں (اردو کے نامور ترین شعراء کے منتخب کلام کا مجموعہ) اور طبقات شعرائے ہند زیادہ اہم اور مشہور ہیں۔ مولوی کریم الدین کے تذکروں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بار تذکرے کو تاریخ کی ایک شاخ سمجھنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ طبقات شعرائے ہند کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''واضح ہو کہ تاریخ اس کو کہتے ہیں جس
> میں واقعات یا حالات زمانہ کے اس طور پر
> لکھے جائیں کہ اوس سے یہ معلوم ہو سکے کہ
> فلانے زمانے میں یہ واقعہ گذرا بخلاف
> تذکرے کے خاص ایک قسم کے لوگوں کا

Marfat.com

خیال لکھا جاتا ہے مثلاً تذکرہ انبیاء یا تذکرہ
اولیاء وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ تذکرہ
خاص ہے اور تاریخ عام کہ وہ تذکروں کو
بھی شامل ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ
تذکرہ ایک قسم کی تاریخ ہے'' ۸۹؎

تاریخ اور تذکروں کی جو تعریف انہوں نے بیان کی ہے اس سے پہلے کسی اور تذکرہ نگار نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا تھا ان کی تذکرہ نگاری کے جوہر تاریخ شعرائے عرب، اور طبقات شعرائے ہند میں کھلتے ہیں۔ جہاں واضح طور پر وہ ایک نئے نقطۂ نظر کے مبلغ اور ایک نئے انداز فکر کے حامل نظر آتے ہیں۔

تذکروں کے بعد ان کے قلم کا جوہر ''تاریخ ابوالفداء'' کے ترجمے میں کھلتا ہے جو ڈاکٹر اشپرنگر کی فرمائش پر کیا گیا۔ اس کا تفصیلی ذکر ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے ضمن میں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ''گلستان ہند''، ''واقعات ہند''، ''تذکرہ فرائد الدہر''، ''تعلیم النساء''، ''کتاب وراثت''، ''رسالہ فرائض علوم صیحۃ''، ''عجالۃ العلاء''، ''عروض روض الاجرام''، ''کتاب نقشہ آلاتِ الطبیہ''، مفتاح العلوم''، ''قواعد المبتدی''، ''حروف تہجی''، شرح قصائد سودا''، شرح مقاماتِ حریری''، کریم اللغات'' وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو مشہور ہیں۔

پنڈت من پھول

دہلی کالج کے ایک طالب علم پنڈت من پھول تھے۔ یہ مولوی ذکاء اللہ کے ہم جماعت اور ماسٹر رام چندر کے شاگرد تھے۔ پنجاب گورنمنٹ کے میر منشی رہ چکے تھے۔ کالج کی رپورٹوں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے والد ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جب شہید ہو گئے اور مولانا کسی طرح لاہور پہنچے تو پنڈت من پھول کی

Marfat.com

کوششوں سے ہی آزاد کو سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کے دفتر میں پندرہ روپے کی ملازمت مل گئی تھی۔ ۹۰

لالہ مکند لال

لالہ مکند لال شعبۂ انگریزی کے ایک نمایاں طالب علم تھے۔ پیشہ وارانہ تعلیم سے دلچسپی تھی چنانچہ دلی کالج سے فراغت کے بعد میڈیکل کالج کلکتہ میں داخلہ لیا۔ قاسم علی سجن لال رقم طراز ہیں:

''انھوں (لالہ مکند لال) نے ڈاکٹری
میں بڑی عزت حاصل کی اور آنریری
سرجن گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ اعزاز
ملے۔ فیلو آف کلکتہ یونیورسٹی گورنمنٹ ہند
سے عطا ہوا'' ۹۱

ان کی اس کامیابی پر جلسے منعقد کئے گئے اور وقت کی اہم شخصیتوں نے مبارکباد پیش کی۔

رائے صاحب کیدار ناتھ

دہلی کالج کے تعلیم یافتہ حضرات میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی ہے جنھوں نے علم کی نئی نئی مشعلیں روشن کیں اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار چھوڑیں انہیں میں رائے صاحب کیدار ناتھ تھے۔ دلی کا موجودہ رام جس کالج ان کی یاد دلاتا ہے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''رائے صاحب کیدار ناتھ سابق
سشن جج نے بھی اسی کالج میں تعلیم پائی

Marfat.com

بڑے عہدے پر پہنچے۔ لیکن اس سے بڑھ
کر ان کی سب سے بڑی اور قابل تعریف
یادگار رام جس کالج ہے جو بڑی کامیابی
سے چل رہا ہے۔ تعلیمی معاملات میں بڑی
دلچسپی ہے۔ ہندو کالج ٹوٹتے ٹوٹتے انہیں
کی بدولت بچ گیا'' ۵۲

پنڈت دھرم نرائن

پنڈت دھرم نرائن کالج کے ہونہار اور ذہین طلباء میں سے تھے پولیٹکل اکانومی (معاشیات) اور تاریخ انگلستان کا کچھ حصہ اردو میں ترجمہ کیا رائے بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اندور کے میر منشی رہے۔ سرسید احمد خاں کی سائنٹفک سوسائٹی کے لئے 'مل' کی پولیٹکل اکانومی کا انتخاب سیاست مدن کے نام سے کیا ۹۳

کیا سرسید مرحوم قدیم دہلی کالج کے تعلیم یافتہ اور مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے؟

ہمارے علمی طبقوں میں بعض روایتیں سینہ بسینہ چل پڑتی ہیں آگے چل کر یہی تحریروں اور کتابوں میں منتقل ہو جاتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ یہ سب روایتیں پوری طرح درست ہوں ایسی ہی مشہور روایتوں میں ایک روایت یہ ہے کہ سرسید مرحوم دہلی کالج کے تعلیم یافتہ اور مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے مگر مجھے اس روایت کی صحت میں کلام ہے۔

میری تحقیق میں مولانا عبید اللہ سندھی نے ''شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک'' میں

Marfat.com

پہلی دفعہ اس کا ذکر کیا اسی کو مولانا محمد میاں اور دوسرے اہل قلم نے اپنی کتابوں اور مضامین میں اس بات کا بار بار اعادہ کیا اور یہ بات کتابوں میں منتقل ہوتی چلی گئی۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں۔

''سرسید احمد خاں استاد اساتذۃ الہند
مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔''۹۴

اسی میں صفحہ ۱۸۵ پر لکھتے ہیں۔

''اس (ولی اللہی) جماعت کی مرکزی
قوت ایک اختلاف کی بنا پر دو حصوں میں
تقسیم ہو گئی تھی اور دلی کے عوض دیو بند اور
علی گڑھ دو مرکز بن گئے جس طرح مولانا
محمد قاسم دلی کالج کے عربی حصے کو دیو بند
لے گئے اسی طرح سرسید احمد خاں دلی کالج
کے انگریزی حصے کو علی گڑھ پہنچا دیا۔''۹۵

حیرت ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی سے پہلے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آیا یہ بات درست ہے کہ نہیں یہ معلوم کرنے کے لئے ہمارے سامنے تین ذرائع ہیں۔

۱- سرسید کی تحریرات، تالیفات اور مکتوبات وغیرہ۔

۲ - سرسید کے احوال و خدمات پر لکھی گئی معتبر کتابیں اور ان کے رفقاء و معاصرین کی اطلاعات۔

۳- دہلی کالج کا ریکارڈ، کالج کی تاریخ اس کے اساتذہ کی خدمات پر دریافت ماخذ۔

براہ راست سرسید کی تحریروں کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اساتذہ کی فہرست میں اپنے خاندان کے افراد کے علاوہ چار علماء کو شمار کرایا ہے

Marfat.com

جودرج ذیل ہیں۔

۱-مولانا شاہ مخصوص اللہ

۲-مولانا نورالحسن کاندھلوی

۳-مولانا فیض الحسن سہارنپوری

۴-حکیم غلام حیدر دہلوی

ان کے علاوہ سرسید کسی کا ذکر استاد کی حیثیت سے نہیں کرتے۔آثار الصنادید میں مولانا مملوک علی نانوتوی کی بڑی تعریف کی ہے لیکن اس سے کسی طرح یہ عیاں نہیں ہوتا کہ وہ سرسید کے استاد تھے یا دہلی کی عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مدرسہ غازی الدین حیدر (دہلی کالج) کی عمارت پر جب رپورٹ لکھتے ہیں تو اس سے بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ وہاں سرسید نے تعلیم حاصل کی۔سرسید مرحوم نے مدرسۃ العلوم (M. A. O. College) علی گڑھ میں مولانا مملوک علی کے نواسہ مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی کا ناظم دینیات کی حیثیت سے تقرر کیا تھا جو ۱۹۲۵ء میں اپنی وفات تک اس کے ناظم رہے۔سرسید کے مکتوبات میں مولانا انصاری کا کئی موقعوں پر ذکر آیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک خط سے بھی یہ تاثر نہیں ملتا کہ مولانا انصاری سرسید کے استاد کے نواسہ ہیں۔

سرسید کے سوانح نگاروں میں سب سے اہم مولانا الطاف حسین حالؔی نے، جوان کے معاصر اور رفیق ہیں، 'حیات جاوید' میں کہیں اس بات کا اشارہ نہیں دیا ہے۔ ان کے علاوہ امین زبیری مارہروی نے ''تذکرہ سرسید'' پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ''سید احمد خاں'' ڈاکٹر ثریا حسین نے ''سرسید احمد اور ان کا عہد'' اور ایک معروف مغربی مصنف Christian W Troll نے اپنی تصنیف Sir Sayed Ahmad Khan A Reinterpretation Of Muslim Theology میں کسی نے نہیں لکھا کہ سرسید نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی تھی یا مولوی مملوک علی نانوتوی کے

Marfat.com

شاگرد تھے۔

دہلی کالج کے تعلیمی ریکارڈ اور اساتذہ کی خدمات و تذکرے بھی اس واقعہ کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ دہلی کالج کے سند یافتہ مولوی کریم الدین پانی پتی نے طبقات شعرائے ہند میں سرسید کا تعارف کرایا ہے جس میں ان کے حلم اور اخلاق کی تعریف پر اکتفا کیا ہے۔ کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر، ڈاکٹر اشپرنگر اور مسٹر بترو یا فاضل مصنف گارساں دتاسی کے علاوہ منشی ذکاء اللہ و ماسٹر رام چندر وغیرہ کسی نے بھی سرسید کی دہلی کالج سے وابستگی یا مولوی مملوک علی کی شاگردی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

میرے خیال میں مولانا عبید اللہ سندھی نے سرسید احمد خاں کے دہلی کالج کے طالب علم ہونے کی روایت غالباً مرزا فرحت اللہ بیگ سے اخذ کی ہے۔ مرزا صاحب نے 'ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی' میں ڈپٹی نذیر احمد سے یہ الفاظ منسوب کئے ہیں۔

"(جب میرا دہلی کالج میں داخلہ ہوا
تو) اس زمانہ میں سرسید احمد خاں فارسی کی
جماعت میں، منشی ذکاء اللہ حساب کی
جماعت میں، اور پیارے لال انگریزی
کی جماعت میں پڑھتے تھے۔"[۹۶]

مگر اس اطلاع میں فرحت اللہ بیگ کو سہو ہوا، اس کا غلط ہونا ایسا واضح ہے کہ ممکن نہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد نے یہ بات کہی ہو، کیونکہ سرسید احمد (ولادت ۱۸۱۷ء) نذیر احمد (ولادت ۱۸۳۰ء) سے ۱۴ سال بڑے تھے اور جب نذیر احمد (۱۸۴۶ء) میں دہلی کالج میں تعلیم کے لئے داخل ہوئے تو اس سے آٹھ سال پہلے (فروری ۱۸۳۹ء) میں سرسید احمد سرکاری ملازمت میں آ گئے تھے۔

اس لئے فرحت اللہ بیگ کی روایت صحیح نہیں اور اس کے علاوہ بھی اب تک کسی

Marfat.com

معتبر تحریر یا ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی کہ سرسید احمد مولانا مملوک علی کے شاگرد یا دہلی کالج کے طالب علم تھے۔

دیگر متفرق حضرات

دہلی کالج سے فیض یافتہ حضرات میں نند کشور بی۔اے (انسپکٹر مدارس پنجاب)، پیرزادہ محمد حسین ایم۔اے (سشن جج)، پنڈت اجودھیا پرشاد (ایڈیٹر مفید ہند) ۷۹ء خواجہ محمد شفیع، میر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام، مدن گوپال (ماسٹر پیارے لال کے چھوٹے بھائی)، پنڈت کاشی ناتھ، آتمارام، لچھمن داس وغیرہ کالج کے مشہور طلباء میں سے تھے۔ جن کا ذکر کالج کی رپورٹوں میں اکثر آتا رہتا تھا۔ یہ وہ فہرست ہے جو میری کوتاہ نظر سے گذری ہے۔ ورنہ بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جن کا نام، کارنامے، خدمات، تصنیف، تالیفات یقیناً زمانے کے حوادث کے شکار ہو گئے۔ خود جب کالج ہی مرحوم ہو گیا تو اصل روح کے ذرات کہاں کہاں بکھر گئے خدا ہی کو معلوم ہے۔ پھر بھی ممکنہ حد تک دہلی کالج کے ان جیالوں کی خدمات 'دہلی ورنیکلر سوسائٹی' کے تحت جو رہی ہیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ وہی سوسائٹی ہے جس نے مشرقی لوگوں کو ان کی زبان میں اہلِ مغرب اور ان کے علوم سے پہلی بار روشناس کرایا۔

Marfat.com

حواشی

۱. خواجہ احمد فاروقی، شذرات،

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء) ص ۱۷۔

۲. گوپی چند نارنگ، دہلی کالج کے چند پرنسپل

(دہلی: دہلی کالج اردو میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء) ص ۱۰۱

۳. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج

(دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۵ء) ص ۶۱

۴. خواجہ احمد فاروقی، شذرات ص ۱۰۳

(مزید حوالہ کے لئے ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں)

(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱ء) ص ۳۰۵

۵. ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قدیم دلی کالج نمبر

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء) ص ۱۲۳

۶. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ص ۱۴۸۔

۷. ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں،

(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱ء) ص ۳۰۵

۸. ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قدیم دلی کالج نمبر،

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء) ص ۱۲۶

۹. ایضاً " " " ص ۱۰۱

۱۰. ایضاً " " " ص ۱۲۳

۱۱. ایضاً " " " ص ۱۲۶

۱۲. سید احمد خاں، آثار الصنادید

Marfat.com

(دہلی: اردو اکادمی دریا گنج، ۱۹۹۰ء) ص ۵۷۸

۱۳. مولوی کریم الدین، تذکرہ طبقات شعرائے ہند
(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۸۴۸ء) ص ۴۶۳

۱۴. موسیو گارساں دتاسی، خطبات،
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ص ۳۶۶.

۱۵. حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو
(دہلی: عاکف بڈپوٹیا محل، ۱۹۹۵ء) ص ۲۲۰

۱۶. مرزا فرحت اللہ بیگ، دلی کی آخری شمع۔
(دلی: اردو اکیڈمی) ص ۷۹.

۱۷. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، اگست ۱۹۶۱ء) ص ۲۷، ۲۸

۱۸. قیامِ لندن کی یادداشتیں، تاریخ ممتاز
(لندن: برٹش میوزیم، بحوالہ ماسٹر رام چندر) ص ۴

۱۹. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر، ص ۳۹، ۴۰

۲۰. ایضاً " " "

۲۱. خیر خواہِ ہند، اکتوبر ۱۸۴۷ء، بحوالہ ماسٹر رام چندر

۲۲. ملاحظہ ہو، فوائد الناظرین جلد دوم تا پنجم ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۰ء

۲۳. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر ص ۶۴

۲۴. ایضاً " " ص ۶۶

۲۵. ایضاً " " ص ۷۰

۲۶. ایضاً " " ص ۹۰

۲۷. ایضاً " " ص ۵۰، ۵۱

Marfat.com

۲۸. مولوی سبحان بخش، محاورات ہند،
(دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۹۱۳ء) ص ۲-۳
۲۹. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ص ۱۶۴.
۳۰. مولوی بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت جلد اول،
(دہلی: اردو کادمی، ۱۹۹۰) ص ۱۷۹.
۳۱. محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین
(میرٹھ: ادارہ اشاعت ادب، اگست، ۱۹۷۶ء) ص ۲۰۹
۳۲. سی ایف اینڈ ریوز، ذکاء اللہ آف دہلی
(کراچی: تعلیمی مرکز) ص ۶۶
۳۳. محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین، ص ۲۰۵
۳۴. نذیر احمد، شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ
(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، قدیم دہلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء) ص ۱۵۱
۳۵. مولوی بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت جلد دوم
(دہلی: اردو کادمی، ۱۹۹۰) ص ۱۷۱.
۳۶. محمد یحییٰ تنہا سیر المصنفین،
(میرٹھ: ادارۂ اشاعت ادب، اگست ۱۹۷۶ء) ص ۲۰۷.
۳۷. سی ایف اینڈ ریوز، ذکاءاللہ آف دہلی، مترجم ضیاء الدین احمد برنی،
(کراچی: مشہور پریس) ص ۹۲.
۳۸. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج،
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ص ۱۷۷.
۳۹. امداد صابری، اردو کے اخبار نویس جلد اول

Marfat.com

(دہلی: صابری اکیڈمی) ص ۳۵۷.

۴۰. سہیل بخاری، اردو ناول نگاری،

(دہلی: الحمرا پبلیشرز، جولائی ۱۹۷۲ء) ص ۴۶.

۴۱. ڈاکٹر یوسف سرمست، بیسویں صدی میں اردو ناول،

(دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء) ص ۳۸

۴۲. سہیل بخاری، اردو ناول نگاری،

(دہلی الحمرا پبلیشرز، جولائی ۱۹۷۲ء) ص ۵۵

۴۳. محمد حسین آزاد، مقالات آزاد، مرتب آغا محمد باقر،

(لاہور: ۱۹۶۶ء) ص ۴۱.

۴۴. بحوالہ اعجاز حسین، مختصر ادب اردو

(دہلی: اردو کتاب گھر، ۱۹۶۴ء) ص ۳۴۱.

۴۵. محمد حسین آزاد، مقالات آزاد، مرتب آغا محمد باقر،

(لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۴۵۰.

۴۶. پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، منشورات، ص ۲۲۵.

۴۷. ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں،

(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱ء) ص ۳۹۰

۴۸. اسیر ادروی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے

(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی، جنوری ۱۹۹۷ء) ص ۵۰

۴۹. مولانا محمد یعقوب، سوانح قاسمی

(دیوبند: دارالعلوم، ۱۳۷۳ھ) ص ۲۹

۵۰. عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید

(سہارن پور: کتب خانہ اشاعت العلوم) ص ۳۲

Marfat.com

۵۱. سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد پنجم
(دہلی: کتابستان بلی ماران، ۱۹۸۵ء) ص ۶۲

۵۲. B.L. Grover
History of Modern India
(New Delhi: S. Chand & Com Ltd, 1988)P.235

۵۳. S. B. Choudhary
The Theories of Indian Mutiny, 1857,P.173

۵۴. Ibid, P.245

۵۵. *Eighteen Fifty Seven*, P. 417

۵۶. R.C. Majumdar
British Paramouncy And The Indian Renainassance, Voll 9

۵۷. B.L. Grover
History of Modern India, P.253

۵۸. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثارِ رحمت، امداد صابری

۶۰. شیخ الہند مولانا محمود الحسن دہلی کالج کے تعلیم یافتہ اور دارالعلوم دیو بند کے محرک مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے صاحب زادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد مولانا محمود الحسن دارالعلوم میں تعلیم وتعلم کی آڑ اور گمنامی میں رہتے ہوئے ہندوستان کی آزادی کی سب سے زیادہ منظم اور انتہائی خفیہ تحریک ''ریشمی رومال'' نام سے چلائی۔ اس مقصد کے تحت مولانا عبیداللہ سندھی کو انہوں نے ترکی، روس، افغانستان اور جرمنی وغیرہ ممالک میں قاصد بنا کر بھیجا۔ افغانستان اور سرحد کے آزاد قبائل میں ہزاروں رضا کار اور مجاہدین کا دستہ تیار کر رکھا تھا تحریک بالکل آخری مرحلہ میں تھی حکومت کی تشکیل بھی دی جا چکی تھی، جس کا صدر راجہ مہندر پرتاپ کو بنایا گیا تھا کہ کچھ لوگوں کی غداری کی وجہ سے راز افشا ہو جانے

Marfat.com

سے شیخ الہند کو حکومت برطانیہ نے حجاز مقدس سے گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں تقریباً ساڑھے تین سال تک سخت قید و بند میں رکھا۔ ان کی معیت میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے علاوہ دیگر تین افراد بھی بلاقصور گرفتار کیے گئے۔ یہ زمانہ پہلی جنگ عظیم کا تھا، جزیرہ مالٹا کو حکومت برطانیہ نے اپنے انتہائی خطرناک مجرموں کا قید خانہ بنا رکھا تھا چنانچہ یہاں جرمنی اور ترکی کے اعلیٰ فوجی عہدے داروں کو نظر بند کر رکھا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ الہند حکومت کی نظر میں کس درجہ کے مجرم اور ان کی تحریک کو انگریز کتنی خطرناک تحریک سمجھتے تھے۔ مالٹا میں نظر بند ہونے کے بعد ہندوستان کے سیاسی قائدین اور دانشوروں نے شیخ الہند کو پہچانا کہ ایک نحیف و کمزور شخص نے مدرسہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے بہت پہلے ہندوستان کو آزاد کرانے کے خواب کو حقیقت میں بدلنا چاہا اور اپنی اولوالعزمی سے آخری سانس تک اس کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ۸ جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہا ہو کر جب آپ بمبئی کے ساحل پر اترے تو ہزاروں افراد، سیاسی رہنما، مختلف تنظیموں کے قائد اور ہر مذہب و ملت کے لوگ آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے استقبال کرنے والوں میں موہن داس کرم چند گاندھی بھی شامل تھے۔

انتہائی سخت علالت میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی آپ تشریف لے گئے اور ترک موالات کو درست ٹھہراتے ہوئے ایک آزاد اور نیشنل یونیورسٹی کی تجویز پیش کی جس کا حکومت سے کوئی تعاون نہ ہو چنانچہ فوراً ہی خیموں میں اس کا انتظام کیا گیا۔ جلد ہی اسے دہلی منتقل کر کے جامعہ ملیہ اسلامیہ نام دیا گیا۔ مالٹا سے رہائی کے چند ماہ کے اندر ہی قوم و ملت کا یہ عظیم سپوت خود انہیں کی زبان میں کہ ”اسی درد میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں“ ۳۰/ نومبر ۱۹۲۰ء کو دریا گنج دہلی میں واقع ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی میں انتقال ہوا۔ جنازہ دیوبند لایا گیا اور مزار

Marfat.com

قاسمی میں دفن کیا گیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو.................اسیران مالٹا اور تحریک ریشمی رومال۔

۶۰. سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول
(دیوبند: ادارہ اہتمام دارالعلوم، ۱۹۹۲ء) ص ۱۵۵

۶۱. عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان
(لاہور: مکتبہ رشیدیہ لمٹیڈ، جولائی ۱۹۸۶ء) ص ۷۸

۶۲. ایضاً " " ص ۷۸

۶۳. اسیر ادروی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے
(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۹۷ء) ص ۱۶۲

۶۴. مولانا قاسم نانوتویؒ، رسالہ تصفیۃ العقائد
(دیوبند: کتب خانہ عزیزیہ) ص ۵

۶۵. سید محبوب رضوی تاریخ دارالعلوم

۶۶. ایضاً " "

۶۷. ایضاً " "

۶۸. ایضاً " "

۶۹. ایضاً " "

۷۰. ملاحظہ ہو رشید احمد گنگوہیؒ، اسیر ادروی

۷۱. ایوب قادری، مولانا احسن نانوتویؒ
(کراچی: روہیل کنڈھ لیٹریری سوسائٹی) ص ۲۷

۷۲. اسیر ادروی، مولانا قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے

۷۳. ایضاً " "

۷۴. ایوب قادری، مولانا احسن نانوتویؒ

Marfat.com

۷۵. اسیرادروی، مولانا قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے

۷۶. ایضاً " "

۷۷. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ص ۱۷۵.

۷۸. امداد صابری، اردو کے اخبار نویس جلد اول

(دہلی: صابری اکیڈمیؒ) ص ۱۴۶.

۷۹. امداد صابری، قدیم دہلی کالج نمبر،

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین ۱۹۵۳ء) ص ۱۸۱.

۸۰. ایضاً " " ص ۱۸۱

۸۱. ایضاً " " ص ۱۸۳

۸۲. ایضاً " " ص ۱۸۳

۸۳. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو،

(دہلی: جدید پرنٹنگ پریس) ص ۲۳۸.

۸۴. امداد صابری، قدیم دہلی کالج نمبر،

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین ۱۹۵۳ء) ص ۱۱۵.

۸۵. قاضی عبدالودود، " " ص ۹۷

۸۶. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ۱۹۴۵ء)، ص ۱۸۰.

۸۷. ڈاکٹر عابدہ بیگم، اردو نثر کا ارتقاء

(دہلی: ثمر آفسیٹ پریس، دسمبر ۱۹۸۸ء) ص ۲۳.

۸۸. قاضی عبدالودود، قدیم دلی کالج نمبر

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء) ص ۹۷-۹۸.

Marfat.com

۸۹. مولوی کریم الدین، طبقات الشعرائے ہند،

(دہلی: مطبع العلوم مدرسئہ دہلی، ۱۸۴۸ء) ص ۱۲

۹۰. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ھند) ۱۹۴۵ء)، ص ۱۷۶

۹۱. برج موہن دتاتریہ کیفی، قدیم دہلی کالج نمبر،

(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء) ص ۳۲.

۹۲. قاسم علی سجن لال، مرحوم دہلی کالج،

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۹۴۵ء) ص ۱۷۹.

۹۳. ایضاً " " " ص ۱۸۰.

۹۴. مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک

۹۵. ایضاً " "

۹۶. مرزا فرحت اللہ بیگ، نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی

۹۷. یہ دلی کالج کا اخبار تھا جو کہ "فوائد الناظرین" کے طرز کا تھا۔ دہلی کالج کے پریس مطبع العلوم سے چھپتا تھا، بدقسمتی سے تین چار پرچے نکلنے کے بعد بند ہو گیا، ملاحظہ ہو، امداد صابری، اردو کے اخبار نویس، صابری اکیڈمی۔

Marfat.com

Marfat.com

باب چہارم

Marfat.com

Marfat.com

دہلی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کی پر زور حمایت کے بعد ہندستان میں ذریعۂ تعلیم کو انگریزی قرار دیا گیا۔اس سے مشرقی علوم پر کاری ضرب لگی۔لیکن خوش قسمتی سے دہلی کالج ہی وہ ادارہ تھا جو حکومت کی اس پالیسی سے باقی رہ گیا تھا۔اور آخر تک اردو زبان کو ہی ذریعہ تعلیم کے طور پر اپنائے رکھا۔لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔مغربی علوم اور افکار کی افادیت کے پیش نظر لوگوں کا رجحان اس طرف بڑھنے لگا۔لیکن دیسی زبانوں میں اس طرح کی کتب کی عدم موجودگی کی وجہ سے دہلی کالج کی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے اس کا بیڑا اٹھایا کہ تراجم کے ذریعہ مغربی علوم کا تعارف کرا کے مشرق کے فکری جمود کو توڑا جائے۔سید فیاض محمود کا کہنا بجا ہے کہ:

> ''دہلی کالج نے نہ صرف یہ کہ اردو زبان کو علمی بنانے میں حصہ لیا اور مشاعرے اور ادبی محفلیں منعقد کر کے ادبی ذوق کو عام کرنے اور سنوارنے میں مدد دی۔بلکہ سب سے بڑی بات یہ کی، کہ مشرق کی جامد فکری وعلمی روایات میں مغرب کی ترقی یافتہ علوم واقدار کا پیوند لگا کر ان کے جمود کو توڑ دیا''[1]

اس وقت تک قائم دیسی طریقۂ تعلیم کی تین اہم خصوصیات تھیں۔ایک یہ کہ جتنے ادارے تھے خواہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری تمام میں عربی، فارسی اور سنسکرت

Marfat.com

زبانوں اور مشرقی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ اب اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام طلباء کو وظائف دئے جاتے تھے اور تیسری خصوصیت یہ تھی کہ عربی و سنسکرت کی ترقی کی خاطر قدیم زبانوں میں تراجم کے لئے فیاضی سے امدادی دی جاتی تھی۔ ؎۲

گرچہ ان تراجم شدہ کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے لیکن یہاں اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد تجارت اور کاروبار نہیں تھا بلکہ علوم کا فروغ اور علم دوستی کا ثبوت تھا اسی لئے ان تراجم پر کثیر رقمیں خرچ کی جاتیں اور مستقل اس کے لئے ملازم رکھے جاتے۔ چنانچہ آج ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں یورپ کے قدردانوں نے اپنے ذاتی لائبریریوں اور یونیورسٹی واداروں کے کتب خانوں میں ان اہم تراجم شدہ نسخوں ومخطوطات کو محفوظ کر کے زینت بخشی ہے اور قیمتی بنادیا ہے۔ یہ جہاں اہل مغرب کی علم دوستی کی غمازی کررہے ہیں وہیں دوسری جانب ہماری لاپرواہی و بےحسی کا ثبوت بھی ہیں۔ اس موقع پر ایک اہم واقعہ یاد آرہا ہے۔ جس کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کچھ عرصہ قبل مشہور محقق رشید حسن خاں میرامن کی ''باغ و بہار'' کی تدوین کررہے تھے۔ اس کام میں انہیں ''باغ و بہار'' کے تمام مطبوعہ وغیر مطبوعہ نسخوں کی تلاش تھی۔ ایک نسخہ انہیں کہیں دستیاب نہیں ہورہا تھا۔ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ نسخہ برصغیر میں کہیں نہ مل سکا بالآخر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اسے برطانیہ کے ایک کتب خانے سے ڈھونڈھ نکالا اور رشید حسن خاں کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ ایک مثال ہے جس سے مشرقی علوم اور ان زبانوں میں تراجم کی قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس میدان میں بلاشبہ سب سے بڑا کام قدیم دہلی کالج کی ''ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' نے ہی انجام دیا۔ جس کے نقش قدم پر چل کر اور اس کے مرتب کردہ اصولوں کو اپنا کر بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔

Marfat.com

دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی داغ بیل کالج کے پرنسپل مسٹر تبرو نے ڈالی تھی اور ماسٹر رام چندر اور مولانا امام بخش صہبائیؔ ان کے اہم معاونین میں سے تھے۔ شروع میں اسے ''انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی'' (Society for the promotion of the knowledge in india through the Medium of Vernacular Languages) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور بعض اسے ''لائبریری آف یوسفل نالج'' بھی کہتے تھے اور اب یہ'' دہلی ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' کے نام سے ہی مشہور ہے۔[۳]

سوسائٹی کا مقصد اردو، ہندی اور بنگالی تینوں زبانوں میں ترجمہ کا کام کرنا تھا لیکن محدود وسائل، لوگوں کی کمی اور بعض دوسری مجبوریوں کی بناء پر صرف اردو ہی میں کام ہوسکا۔ بقول مولوی عبدالحق گرچہ انجمن کے مقاصد وسیع تھے اور وہ تینوں زبانوں کے لئے کام کرنا چاہتی تھی لیکن کام کرنے والا صرف ایک ہی شخص تھا یعنی دہلی کالج کا پرنسپل مسٹر بترو۔[۴]

مسٹر بترو ہی اس سوسائٹی کے اصل روح رواں تھے اور وہ واقعی اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے تھے۔ جس کا اندازہ ان کے اس خط سے ہوتا ہے جو انھوں نے ۱۸۴۱ء میں فرانسیسی مستشرق'' گارساں دتاسی'' کے نام لکھا جس میں انہوں نے دہلی کالج کی علمی مصروفیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''تقریباً چھ مہینے سے میں نے کوئی
> بیس مترجم کالج میں ملازم رکھے ہیں ۔ یہ
> عربی، فارسی اور سنسکرت کی مشہور کتابوں
> کے علاوہ انگریزی کی بعض کتابیں متعلق بہ
> علوم طبیعیات، معاشیات، تاریخ، فلسفہ،
> قانون اور برطانوی ہند میں رائج الوقت

Marfat.com

قانون کی کتابیں اردو میں ترجمہ کرتے ہیں''۔۵

ترجمہ کا کام گرچہ مسٹر بتروکی تقرری کے سال یعنی ۱۸۴۱ء سے ہی شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۸۴۳ء میں ''انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی'' کے قائم ہونے پر یہ کام دہلی کالج میں باقاعدہ شروع ہوگیا اور دہلی ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی نگرانی میں کتابیں طبع ہونے لگیں۔ ۱۸۴۵ء میں مسٹر بتروطبیعت کے ناساز ہونے پر یورپ چلے گئے اور ان کی جگہ ''ڈاکٹر اشپرنگر'' کا تقرر رہوا۔ انہوں نے بھی ترجمہ وتالیف کے کام کو اسی شوق اور سرگرمی سے جاری رکھا۔ یہاں پر یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ ترجمہ کرنے کا ایک باضابطہ عمل تھا جوکئی مرحلوں سے گذر کر طبع ہونے کے لئے پریس میں بھیجا جاتا تھا۔ اول پرنسپل کے مشورہ سے ہندوستانی مدرس اور شعبہ انگریزی کی اعلیٰ جماعت کے طالب علم کوکسی مطبوعہ یا قلمی کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے انتخاب کرتے تھے اور انہیں فی صفحہ چھ آنے سے بارہ آنے تک معاوضہ دیا جاتا۔ ترجمہ ختم ہونے پر پرنسپل، صدر مدرس یا کوئی قابل ہندوستانی استاد مسودہ پر نظر ثانی کرتے۔ مشرقی زبانوں کے ترجموں پر مولوی یا پنڈت نظر ثانی کرتے تھے اس مرحلہ سے گذر کر ترجمہ چھپنے کے لئے پریس میں چلا جاتا۔۶

ترجمہ کرنے کے کچھ اصول اور قواعد بھی وضع کئے گئے جن میں سے کچھ اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اگر سائنس یا تاریخ یا دوسرے علم میں کسی مستند لفظ کا ترجمہ اردو میں نہ ملے تو اس لفظ کو اپنا لینا ہی بہتر ہے۔ مثلاً سوڈیم، پوٹیشیم، کلورین، بشپ، ڈیوک اور کلکٹر وغیرہ اور اگر سائنس کا کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مترادف اردو میں پایا جاتا ہے تو اردو لفظ ہی استعمال کرنا چاہئے جیسے آیرن کے لئے لوہا، سلفر کے لئے گندھک، منسٹر کے لئے وزیر وغیرہ۔

Marfat.com

۲-اگر مرکب الفاظ کا ترجمہ اردو میں نہیں ہے تو اسے ہی زبان میں شامل کرلیا جائے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پورے کا پورا انگریزی فقرہ استعمال میں آجائے بلکہ اسے اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً ملٹری آرڈر آف دی باتھ کو "لشکری جماعت باتھ کی" اور ملٹری اینڈ ریلیجیس آرڈر آف مالٹا کو "لشکری و مذہبی جماعت مالٹا کی" ترجمہ کیا جائے۔

۳-اگر کسی مرکب انگریزی لفظ کا اردو میں مترادف نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ لفظ کے مترادف اردو میں موجود ہیں تو ان الفاظ کا مفہوم نکال کر یا الفاظ ملا کر اپنا مطلب نکال لیا جائے جیسے کرانولوجی (CHRONOLOGY) کا ترجمہ "علم زماں" اور ہاؤس آف کامنز (HOUSE OF COMMONS) کا "دارالعوام" وغیرہ۔

۴-اگر مرکب لفظ ان دو مفرد الفاظ کا مجموعہ ہو جن میں سے ایک کا اردو ترجمہ ممکن ہے لیکن دوسرے کا نہیں تو انگریزی اردو کے مرکب سے اپنا مطلب نکال لیا جائے مثلاً "کورٹ آف ڈائرکٹرز" کا کچہری ڈائرکٹروں کی، "آرچ بشپ" کا بشپ اعلیٰ وغیرہ۔

۵- مغالطے سے بچنے کے لئے بدیشی الفاظ کو چاہے ان کا مترادف موجود ہو زبان میں ملا لینا مناسب ہے جیسے کلاس، آرڈر، نیچرل ہسٹری وغیرہ۔

۶-انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ ترجمہ کرتے وقت صحیح، آسان اور بامحاورہ زبان استعمال میں لائی جائے۔ جب کسی انگریزی جملے میں کسی خاص واقعے کی جانب اشارہ ہو جس سے اہل ہند واقف نہ ہوں تو مترجم کو چاہئے کہ حاشیے میں یا مناسب ہو تو متن میں اس کی مختصر طور پر تشریح کر دے۔

۷- لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ اصل مفہوم مدِ نظر ہو۔

۸-کیمسٹری کی اصلاحات کو بجنسہ اردو میں منتقل کرلیا جائے تو بہتر ہے البتہ وہ کیمیائی عناصر جن کے نام اردو میں موجود ہیں وہ ویسے ہی رہنے دئے جائیں۔

Marfat.com

۹- نباتات کا ترجمہ مشکل ہے لفظی ترجمہ بالکل مہمل ہو جائے گا البتہ جو دوسرا طریقہ درختوں کے خاندانوں کے نام رکھنے کا بتایا گیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اور عام طور پر مستعمل ہے۔ ۷

اگر ان قواعد کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یقیناً یہ اصول وضوابط بالکل مناسب اور کسی بھی زبان کے لئے عمل میں لائے جاسکتے ہیں چنانچہ دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد نے بھی کم وبیش انہیں قواعد کو مدنظر رکھا۔

یہ سوسائٹی اگرچہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ کالج ہی نہ رہا پھر بھی قلیل اور مختصر عرصہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں، مغربی تہذیب وتمدن اور ان کے ادب سے ہمارا تعارف کرایا جس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں سیاسی، سماجی اور ادبی شعور پیدا ہوا۔ اسی مغربی علوم کے وسیع مطالعہ سے ہم نے اپنے آپ میں ایک بہت بڑا تغیر محسوس کیا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو تر وپتی میں منعقد شعبۂ صحافت آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں مولوی عبدالحق نے بڑے درد کے ساتھ کہا تھا:

> ''جو کام فورٹ ولیم کالج سے ادھورا رہ
> گیا تھا اور جو غالباً وہ قائم رہ کر بھی نہیں
> کرسکتا تھا، اس لئے کہ اس کا مقصد محدود
> تھا وہ دلی کالج نے کیا'' ۸

پھر آگے کالج کی تعلیم، تراجم، اس کی خدمات اور ۱۸۵۷ء کی شورش میں کالج کے بھینٹ چڑھ جانے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اور (کالج) وہ کام کر رہا تھا جو اس
> کے بعد بڑے بڑے کالج اور یونیورسٹیاں
> بھی نہیں کرسکیں اگر وہ قائم رہتا اور حسب
> ضرورت اس کے ترقی کے سامان مہیا کئے

Marfat.com

جاتے تو آج اردو زبان کہاں سے کہاں
پہنچ جاتی۔اس نے سچا علمی ذوق اور روشن
خیالی پھیلانے میں جو کام کیا وہ اس سے
ظاہر ہے کہ اس نامراد ادارے سے ماسٹر
رام چندر ،محمد حسین آزاد ،نذیر احمد،
ذکاءاللہ جیسے لوگ نکلے جنھوں نے اپنے
خیالات اور قلم کے زور سے اردو زبان کی
کایا پلٹ دی"۹

بہرحال کالج کی اتنے قلیل عرصہ میں، جبکہ وہ اپنے نقطۂ عروج پر تھا، ختم کردینے سے ملک وقوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ آخر میں ہم ان ذخائر کا جائزہ لیتے ہیں جو سوسائٹی کے تحت ترجمہ کئے گئے، مولوی عبدالحق نے ان کی تعداد ۱۲۸ جب کہ مالک رام نے ۱۳۱ شمار کرائی ہیں۔ جو بھی ہو اس فہرست کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ نہ معلوم آئندہ کتنی کتابوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو بعید از قیاس نہیں ہے یہ تمام نسخے علم ریاضی، تاریخ، سائنس، جراحی، جغرافیہ، تذکرے، سوانح عمری، ادب، علم نباتات، معدنیات، گرامر، طب، مذہب، لغات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ادب کی کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا۔

Marfat.com

ادب (Literature)

تذکرہ طبقات الشعرائے ہند

یہ تذکرہ شعرائے ہند یا تاریخ شعرائے اردو کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسے مولوی کریم الدین نے 'مسٹر ایف فیلن' کے ساتھ مل کر ''گارسان دتاسی'' کی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے۔ اس کی ضخامت ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی لائبریری میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ ۱۸۴۸ء میں مطبع العلوم دہلی سے شائع ہوا ۔ دیباچہ میں انہوں نے چار امور پر روشنی ڈالی ہے۔

۱- بیان السنہ مروجہ ہندستان کا اور تحقیق اردو کی

۲- بیان دکنی زبان کا

۳- بیان قدیم زبان کا

۴- تواریخ اردو

مقدمہ میں تاریخ اور تذکرہ کا فرق بیان کرتے ہیں۔ بعد ازاں قسم اول کے عنوان کے تحت متقدمین شعرائے ہندی کا بیان کرتے ہیں ۔قسم دوم میں طبقات شعرائے اردو کے ضمن میں اردو شعراء کا ذکر کرتے ہیں۔

تذکرہ شعرائے عرب

یہ بھی مولوی کریم الدین کا ترجمہ ہے جو خود ان کی اپنی تالیف ''فرائد الدہر'' سے ہے۔ پرنسپل اشپرنگر کی فرمائش پر انہوں نے اسے عربی میں لکھی تھی بعد میں پرنسپل موصوف کے کہنے سے اسے اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۸۴۷ء میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی میں سید اشرف علی کے اہتمام میں شائع ہوا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کتب خانہ میں اس کا

Marfat.com

نسخہ موجود ہے۔

اس میں ۳۵۷ شعراء کا تذکرہ موجود ہے۔ شعراء کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کا نمونہ کلام بھی عربی رسم الخط میں دیا گیا ہے۔ اس تذکرہ میں شعراء کی ترتیب طبقات اور سنِ وفات کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا ہے اور اس طرح عہد بہ عہد ان کے حالات زندگی فکر وفن کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے نمونۂ کلام سے مثالیں دیتے چلے گئے ہیں۔ آخر میں اگر چند لفظوں میں شاعری کی عہد بہ عہد ترقی کے بارے میں بھی ذکر کرتے اور اس عہد کی امتیازی خصوصیات کی جانب بھی روشنی ڈالتے تو اس تذکرہ کی نوعیت ہی بدلی ہوئی ہوتی۔ بہر حال ان کی اس کوشش کو ہمیشہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

تذکرۃ الکاملین

اس کے مصنف ماسٹر رام چندر ہیں۔ اب تک کی دستیاب کتب میں سب سے کثیر تعداد میں چھپنے والی یہ کتاب ہے جو کہ مختلف سنوں میں اور مختلف جگہوں سے شائع ہوئی ہے۔ اس سے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ تصنیف کے سلسلے میں رام چندر کا کہنا ہے کہ ہندوستانی حضرات انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر حکمائے یونان، روم، یورپ اور ایشیا سے ناواقف ہیں چنانچہ ان کے ذوق علمی میں اضافہ کرنے کی غرض سے حکماء ودانشوروں کے حالات زندگی اور مختلف ممالک کا بیان کیا گیا ہے۔ رام چندر نے اس کو مٹکاف صاحب بہادر کی جانب منسوب کیا ہے۔

تین صفحات پر مشتمل اسکی فہرست ہے۔ جس میں ۹۷ مضامین ہیں اور ۳۸ حضرات کے فوٹو دئے گئے ہیں جس میں بقراط، افلاطون، ارسطو، بوعلی سینا وغیرہ شامل ہیں۔

Marfat.com

تذکرہ سکندر اعظم

اسے سروپ نرائن نے پلو ٹارک کی انگریزی کتاب PLUTARCH'S LIVES سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جو کہ ۱۸۴۷ء میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے شائع ہوئی۔ ''خلاصہ مطالب کتاب'' کے نام سے چار صفحات پر مشتمل کتب کی فہرست ہے۔ فہرست مکمل ہونے پر بغیر کسی دیباچہ یا پیش لفظ کے متن کا آغاز ہے۔

ان کا املا اپنے ہم عصروں سے مختلف نہیں ہے۔ البتہ ایک نئی چیز یہ نظر آتی ہے کہ مصنف نے ایک بیان مکمل ہو جانے پر دوسری سطر کے نصف سے دوسرا بیان شروع کیا ہے گویا پیراگراف کا خیال رکھا ہے۔ یہ چیز اب سے پہلے کسی دوسرے مصنف یا مترجم کے یہاں نظر نہیں آئی۔

خطِ تقدیر

یہ مولوی کریم الدین کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے اردو قصوں کے روایتی طرز کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور اسے اپنے عہد کے تقاضے کے مطابق نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کوانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل مغربی علوم کے مطالعہ کی مدد سے انہوں نے قصہ کا فرسودہ انداز ترک کر کے جدید طرز پر اس کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے داستانوں کے مافوق الفطرت عناصر کے بجائے اس میں زندگی کی حرارت پیدا کی اور جس قدر ہوسکا اسے انسانی زندگی کے قریب تر لے آئے۔ گارساں دتاسی نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''حال میں جن مصنفین کی نئی
> مطبوعات شائع ہوئی ہیں ان میں مولوی
> کریم الدین کا نام سب سے پہلے قابل

Marfat.com

ذکر ہے...........موصوف نے اس سال
چھ تصانیف شائع کی ہیں........لاہور سے
ایک اور کتاب نکلی ہے جس کا نام خط
تقدیر ہے۔ یہ کتاب اخلاق پر ہے۔ ۱۰

خط تقدیر میں انسانی زندگی اور اس کے مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف کا زور قلم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کو معاشی مسائل پر عقلیت پسندی سے کام لینا چاہئے روایتی انداز کو ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ یہی بنیادی خیالات ہیں جن کو مصنف نے بڑی خوبصورتی سے تمثیلی انداز میں پیش کئے ہیں۔ عقل، تدبیر، ملکۂ تقدیر، خوبصورتی، فیضان، آمدنی اور خرچ وغیرہ ان کے کرداروں کے نام ہیں۔ یہ طرز اردو میں اس قدر مقبول ہوئی کہ بعد کے مصنفین نے اس کا تتبع کیا۔ خصوصاً محمد حسین آزاد نے نیرنگ خیال کی بنیاد اسی طرز پر رکھی۔

عجائب روزگار

یہ ماسٹر رام چندر کی طبع زاد تصنیف ہے جو اپنے وقت کی انتہائی مقبول کتاب رہ چکی ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے یہ بڑی دلچسپ ہے جس میں تین ابواب ہیں۔ اول میں عجائبات زمانہ دوم میں اخلاقیات سے متعلق مضامین اور تیسرے حصے میں تاریخ ہندوستان کے اہم واقعات واشخاص کا ذکر ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی لائبریری اور رضا لائبریری رام پور میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

اس کتاب میں ماسٹر رام چندر نے مغربی اقوام کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمام ترقی کو مغربی اقوام پر منحصر نہیں سمجھتے۔ وہ مشرقی لوگوں کا حوصلہ بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ بھی ناظرین پر منکشف اور ہویدا

Marfat.com

ہو کہ دیکھنا چاہئے کہ علم اور عقل کے زور
سے انسان کیا کیا کرسکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ
نے کچھ انگریزوں کو ہی طاقت بخشی ہے کہ
بسبب فضیلت کے کیا کیا کام کرتے ہیں
اور کچھ انگریزوں ہی پر یہ مدار نہیں ہے بلکہ
جو شخص علوم اور فنون پر توجہ بخوبی کرے گا
وہی واضح فائدہ اٹھاویگا''۔11

عجائبات روزگار اپنے وقت کی نہایت دلچسپ اور قابل قدر تصنیف ہے جس میں دنیا بھر کی معلومات کے ساتھ ساتھ اخلاقی مضامین بھی ہیں۔ ماسٹر رام چندر کی دوسری تصانیف کے مقابلہ میں اس کی عبارت میں روانی اور سلاست ہے۔

حدائق البلاغت

مولوی امام بخش صہبائی نے اسے شمس الدین فقیر کی فارسی تصنیف علم عروض وبیان وبدیع کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر تبرو نے اس کی فرمائش کی تھی۔

رسالہ قواعد اردو

پرنسپل مسٹر تبرو ہی کی فرمائش پر امام بخش صہبائی نے ایک کتاب رسالہ قواعد اردو نام سے لکھی یہ کتاب سالار جنگ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ مولوی صاحب کا انداز نہایت سلجھا ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی خوبصورتی سے بات کو واضح کرتے ہیں۔ زبان وبیان میں روانی ہے اس کتاب کا سب سے دلچسپ پہلو اس کا آخری باب ہے جس میں انہوں نے اردو زبان میں بولی جانے والی امثال لکھی

Marfat.com

ہیں۔اور اس کے معنی بتائے ہیں۔کسی بھی زبان میں زبان کا سب سے دلچسپ حصہ اس کے محاورے اور روزمرہ ہی ہوتے ہیں۔دتاسی ان کی تعریف میں کہتا ہے:

"آپ کی تصانیف حدائق البلاغہ، انتخاب نظم اور قواعد اردو ہیں ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ہے" ۱۲؎

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"علاوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اردو صرف ونحو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی ہے جس کے آخر میں بہ ترتیب حروف تہجی اردو محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں" ۱۳؎

تسہیل القواعد

مولوی کریم الدین نے یہ کتاب جناب اے.آر.فلر ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن لاہور کی فرمائش پر لکھی۔اس میں زبان وبیان بہت صاف سادہ اور سلجھا ہوا ہے۔چھوٹے چھوٹے جملوں اور سہل زبان میں صیغے سمجھادئے ہیں۔

مولوی کریم الدین ہی کی اردو لغات (کریم الغات) اور رسالہ مسمیٰ بعجالتہ العلالہ علم عروض اور قصائد سودا کی شرح بھی ہیں۔امام بخش صہبائی نے بھی مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے اردو کے مشہور اور نامور شعراء کے دیوان شائع کئے ان میں خواجہ میر درد، میر، ناسخ، مومن، ذوق، شمس ولی اللہ، نصیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔خلاصہ شاہنامہ کا

Marfat.com

فارسی سے اردو میں منظوم ترجمہ منشی مول چند نے کیا۔ گلستان سعدی کا ترجمہ مولوی حسن علی خاں، فسانہ لیلیٰ ومجنوں کا میر محمد حسن تجلی، الف لیلیٰ کا جعفر علی، محمد حسن علی خاں، رشید الدین خاں، تذکرہ ہند وشعراء کا پنڈت موتی لال بسمل، صرف ونحو انگریزی کا پنڈت رام کشن، چشمہ فیض (مختصر قواعد اردو) کا مولوی احمد علی دہلوی نے کیا۔ اسی طرح رامائن، مہابھارت، نل ودمن (فیضی)، زلیخا بدر منیر (مثنوی میر حسن)، شکنتلا، رگھوونش، قصہ چہار درویش (باغ وبہار)، قصہ یوسف سلیمانی، کلیلہ ودمنہ، تاج الملوک وبکاولی، جامع الحکایات وغیرہ سوسائٹی کے تحت تصنیف ہوئیں۔

تاریخ (History)

تاریخ ابوالفدا

''مولوی کریم الدین'' نے عربی سے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ لیکن تیسری جلد کو چھوڑ کر جس کا ترجمہ مولوی محمد امیر نے کیا بقیہ تمام جلدوں کا ترجمہ مولوی کریم الدین ہی نے کیا ہے[1]۔ اس کتاب کا ڈاکٹر اشپر نگر کی ایماء پر ۱۸۴۶ء میں ترجمہ کیا گیا۔

تاریخ ابوالفدا کئی صدیوں پر مشتمل تاریخ ہے جو ترجمہ ہونے کے باوجود ایک مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر مورخ ہیں اور اس تاریخ میں انہوں نے تکملہ لکھ کر اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ جس سے ان کے زورِ بیان اور ذوق کا پتہ چلتا ہے بقول محمود الٰہی:

> ''تاریخ ابوالفدا پر انہوں (مولوی
> کریم الدین) نے تکملہ یا نتیجہ کے نام سے
> جو اضافہ کیا ہے وہ ان کی تاریخ نویسی کے

Marfat.com

ستھرے ذوق کا آئینہ ہے"۱۵

تاریخ ہندوستان

فنِ تاریخ سے متعلق مولوی کریم الدین کی یہ دوسری کتاب ہے۔ تاریخ ابوالفدا ترجمہ ہے جبکہ تاریخ ہندوستان تالیف ہے۔ یہ کتاب مولوی کریم الدین نے مغربی وشمالی اودھ کے انسپکٹر جنرل سررشتہ تعلیم کی ایماء پر تصنیف کی تھی۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے جس کا ذکر دیباچہ میں انہوں نے یوں کیا ہے۔

> "یہ اول حصہ شروع آبادی ہندوستان سے لے کر ۷۰۵ء تک یعنی مسلمانوں کی شروع عملداری تک لکھا جائے گا اور دوسرے حصہ میں مسلمانوں کی عملداری کا بیان ۷۰۵ء سے لے کر شروع عملداری انگریزوں تک درج کیا جائے گا اور تیسرے حصہ میں شروع عملداری انگریزی سے تمام وقائع ہندوستانی کے جو کمپنی کی عملداری میں واقع ہوئے ہیں درج کئے جائیں گے۔ اس لئے یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے"۱۶

اس کی کتابت قلم سے کی گئی ہے ضخامت ۲۵۵ صفحات پر مشتمل ہے صاف ستھرہ اور عمدہ مجلد نسخہ ہے۔ کاغذ سخت اور بے حد مٹیالہ ہو گیا ہے۔

تاریخ الحکماء

اس کتاب کا ترجمہ عربی کی تصنیف "تذکرۃ المفسرین" مولف علامہ جلال

Marfat.com

الدین سیوطی اور ''تذکرۃ الفقہا خلاصہ وفیات الاعیان ابن خلکان'' سے دہلی کالج کے مدرس عربی مولوی سبحان بخش نے کیا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ قدیم دہلی کالج کے دوسرے تراجم کی طرح یہ ترجمہ بھی ڈاکٹر اشپرنگر کی فرمائش پر کیا گیا ہوگا یہ ترجمہ ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا۔ جس وقت کہ اشپرنگر کی نگرانی میں ٹرانسلیشن سوسائٹی کام کررہی تھی۔ اس کا ایک نسخہ ہارڈنگ لائبریری دہلی کالج میں موجود ہے۔

اس کتاب میں مختلف اہلِ فن کا ذکر کیا گیا ہے جو علم ہندسہ، علم نحو اور اقلیدس وغیرہ کے ماہر تھے۔ ان کی تقسیم حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اس میں کہیں کوئی عنوان قائم نہیں کیا گیا ہے۔ ترجمہ کے اعتبار سے یہ بہت خوب ہے۔ جہاں تک املا کا تعلق ہے قدیم روش اختیار کی گئی ہے۔ ہائے معروف و مجہول میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ان معمولی باتوں سے قطع نظر قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ان تراجم سے اردو نثر کا وزن اور وقار میں اضافہ ہوا اور اردو والوں کو یہ احساس ہوا کہ ہر قسم کے علمی موضوعات کو اردو کے پیکر میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

تاریخ ہند

اس کا ترجمہ دہلی کالج کے چار اساتذہ منشی نور محمد، مولانا امام بخش صہبائی، مولوی سبحان بخش، مولوی احمد علی نے مل کر کیا۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جن کے مآخذ اور مترجمین سرورق پر دئے گئے ہیں۔ سرورق ملاحظہ ہو:

تواریخ ہند مشتمل تین حصوں پر

حصہ اول تاریخ ہند

پہلے سے پہلے زمانہ ہندوؤں سے سلطنتِ مغلیہ تک

منشی نور محمد مدرسہ انگریزی نے مارش مین صاحب کی کتاب سے

اردو میں ترجمہ کیا

Marfat.com

حصہ دوم خلاصہ سیر المتاخرین کا

ابتدائے سلطنت تیمور سے محمد شاہ تک

پہلے دفتر کا ترجمہ مولوی امام بخش مدرس اول فارسی کالج نے

مولوی عبدالکریم کے خلاصہ سے زبان اردو میں ترجمہ کیا۔

دوسرے دفتر کا ترجمہ مولوی سبحان بخش مدرس چہارم عربی نے کیا

تیسرے دفتر کا ترجمہ احمد علی مدرس سوئم فارسی نے کیا

حصہ سوئم تواریخ بنگال

ابتدائے عملداری کمپنی سے ۱۸۳۰ء تک منشی نور محمد صدر مذکور نے ترجمہ کیا۔ دہلی اردو اخبار پریس مکان محمد باقر گذر اعتقاد خانمین باہتمام پنڈت موتی لعل پرنٹر وپبلیشر کے چھاپہ ہوا ۱۸۴۳ء

سرورق پر کتب خانہ ریاست رام پور پشت پر مصطفٰے حسین خاں ۱۲۶۳ء ہجری کی مہر ہے۔ موٹا کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ نسخہ صاف ستھرا ہے۔ پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی ہے۔

تاریخ کشمیر

محمد اعظم کی فارسی تصنیف ''واقعات کشمیر'' سے منشی اشرف علی نے پرنسپل دہلی کالج ڈاکٹر اشپرنگر کی فرمائش پر ترجمہ کیا۔ مطبع العلوم مدرسہ دہلی میں پنڈت دھرم نرائن کے اہتمام میں شائع کیا گیا۔ خدابخش لائبریری میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

تاریخ انگلستان

یہ ترجمہ دہلی کالج کے کئی اساتذہ نے مل کر کیا ہے یہ گولڈ اسمتھ کی تاریخ

Marfat.com

انگلستان کا ترجمہ ہے۔ ادارے سے شائع ہونے والی کتاب میں پہلی دفع نئی فہرست ملتی ہے۔ جس کا عنوان ہے فہرست مصطلحات انگریزی کے الف، با تا کے ترتیب سے'' فہرست دس صفحات پر ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ یہ ۱۸۴۴ء کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر بترو کے زمانے میں ہی یہ دوسری دفعہ چھپ چکی تھی۔ ممکن ہے کہ ان کی فرمائش پر اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہو۔

تاریخ روم

منشی شیو پرشاد نے گولڈ اسمتھ کی کتاب History of Rome سے ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں نہ تو دیباچہ ہے اور نہ ہی ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ۱۸۴۵ء تک کی طبع شدہ کتابوں میں وجہ ترجمہ بیان نہیں کی گئی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مسٹر تبرواس سوسائٹی کی سرپرستی کے فرائض انجام دے رہے تھے ۱۸۴۵ء کے بعد کی طبع شدہ کتابوں میں وجہ ترجمہ بھی بیان کی گئی ہے اور بہت سی کتابوں میں فہرست بھی دی گئی ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے جو کہ دہلی اردو اخبار پریس سے چھپا ہے۔ ترجمہ میں ناہمواری نہیں ہے بلکہ زبان و بیان میں روانی دوسرے تراجم کے مقابلے میں کسی قدر عمدہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

تاریخ ایران

دہلی کالج کے شعبہ انگریزی کے استاد منشی حسینی نے CONDER کی کتاب MODERN TRAVELLER کا ترجمہ کیا ہے آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ منشی جی کی زبان و بیان میں روانی ہے۔ جگہ جگہ فل اسٹاپ بھی لگایا ہے۔ املا ہم عصر حضرات

Marfat.com

سے بہتر ہے۔

تواریخ یونان

یہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ لیکن سرورق نہ ہونے کے باعث مترجم اور ماخذ کا نام غائب ہے البتہ کیٹلاگ میں مترجم کی حیثیت سے منشی وزیر علی اور منشی شیو پرشاد لکھا ہوا ہے۔ مالک رام نے بھی اپنی تصنیف قدیم دہلی کالج میں یہی نام لکھے ہیں اور ماخذ گولڈ اسمتھ کی کتاب History of Greece کو قرار دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ صفحہ ۱ تا ۱۵۲ منشی وزیر علی نے ترجمہ کیا باقی حصہ ترجمہ منشی شیو پرشاد نے کیا اور بعد میں اسٹیوارڈ صاحب نے مقابلہ کروایا۔ ۱۷

تواریخ برّی اور بحری

صولت پبلک لائبریری رام پور میں یہ موجود ہے لیکن سرورق کے غائب ہو جانے کے سبب مترجم اور ماخذ کا علم نہ ہو سکا۔ مالک رام نے منشی شیو پرشاد کو اس کا مترجم بتلایا ہے اور اسٹیورڈ صاحب نے اصل ماخذ History of Maritime and Inland Discovery from Lordners Cabinet Encyclopaedia کہا ہے۔ ۱۸ فنِ تاریخ سے متعلق دوسری کتابوں کے مقابلہ میں یہ کسی قدر دلچسپ ہے کہ اس میں انسانی ارتقاء کی مکمل تاریخ ملتی ہے۔ سادہ اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔ جملوں میں بلا کا ربط ہے۔ ترجمہ ہونے پر بھی ترجمہ نہیں لگتا۔ کسی قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ دوسرے تراجم کی مانند اس میں بھی املا قدیم دستور کے مطابق ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں تاریخ کی ہیں جن کا ترجمہ ہوا۔ ان میں .Henry T. Princep کی کتاب Origin of Sikh Power in Punjab and Political life of Maharaja Ranjit Singh (پنجاب کے سکھ عہد کی تاریخ

Marfat.com

اور سوانح مہاراجہ رنجیت سنگھ) کا ترجمہ رام چندر کی اصلاح سے دلی کالج کے شنکر داس نے کیا۔ اسی طرح تاریخ مغلیہ History of Mughal Empire کا ترجمہ منشی حسینی اور منشی نور محمد نے کیا جو مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے ۱۸۴۷ء کو شائع ہوا۔ مولوی سبحان بخش نے توزک تیموری کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا۔ جو دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

دہلی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اشپرنگر نے تاریخ یمنی کو ایڈٹ کیا۔ مزید تاریخ اسلام تاریخ مسعودی شائع ہوئی اور حکمائے یونان، انتخاب پلو ٹارکس لاؤز (مشاہیر یونان وروما) کا ترجمہ کیا گیا۔

قانون (Law)

خلاصہ قوانین فوجداری

اس کے مترجم منشی حسینی ہیں جنھوں نے دیگر متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا ماخذ اسکپ وتھ کی کتاب Asistant Magistrates Guide of Abridgement of the Criminal Regulations C. O. and Constructions. ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ قدیم دہلی کالج سے شائع ہونے والی کتب میں یہ سب سے بڑے سائز کی ہے۔

اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست تیار کی گئی ہے جس میں بہت سے امور پر احکامات اور حکومت کے قوانین بیان کئے گئے ہیں مثلاً:

الف : اسباب مسروقہ، اسقاط حمل، افیون کے اہل کار

ب : بدمعاش، بغاوت ہند کا توڑنا، بھاگنا فوج سے، بھاگ جانا مجرموں کا

پ : پاگل خانہ۔ پولس کے ملازم، پھانسی

Marfat.com

ت : تجارت، تحقیقات لاش، ترغیب عورات وغیرہ

کتاب میں تمام صفحات کو سات حصوں میں منقسم کر کے Regulations کا احوال درج کیا ہے۔ جن میں لفظوں کا عمدہ استعمال، جملوں میں روانی جیسی خوبیاں موجود ہیں۔

اصول قوانین ممالک مختلف

یہ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بترو کی کتاب Prnciples of the Laws of Nations with Historical Illustrations کا ترجمہ ہے جس کو پنڈت رام کشن نے پرنسپل بترو کی خواہش پر اردو میں منتقل کیا۔

پنڈت رام کشن کو ترجمے میں بڑی مہارت تھی۔ اس میدان میں وہ اپنے تمام ساتھیوں سے سبقت لے گئے انکے تراجم میں روانی ہے اور تصنیف کا سا لطف آتا ہے۔

اصول علم انتظام مدن

پنڈت دھرم نرائن نے Francis Wayland کی کتاب The Elements of Political Economy کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیت دو باتوں کی وجہ سے زیادہ ہے۔ اول یہ کہ پنڈت دھرم نرائن نے ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ اصلی نسخہ میں جو مثالیں عام فہم نہیں تھیں، انھیں یہاں کی عام فہم مثالوں میں تبدیل کر دیا ہے تا کہ قاری کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ دوسرے وضع اصطلاحات کے سلسلے میں بھی یہی اصول اپنایا کہ عربی اور فارسی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہے اور ان کی جگہ ہندوستانی الفاظ کر ترجیح دی ہے جس کا اظہار انھوں نے دیباچہ میں کیا ہے۔

Marfat.com

اصول پولیٹکل اکونومی

اس موضوع پر یہ دوسرا ترجمہ ہے جسے منشی میر وزیر علی نے کیا ہے لیکن اس کا ماٰخذ John Staurt Mill کی کتاب Elements of Political Economy ہے۔ اس کا نسخہ صولت لائبریری رام پور میں محفوظ ہے، سرورق کی پشت پر انگریزی عبارت لکھی ہے کہ منتظمین ٹرانسلیشن سوسائٹی ہندوستانی قاری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کرتے وقت اصل متن میں بہت سی جگہ حذف او راضافے کر دئے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے Mill کے خیالات کو سہل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصول گورنمنٹ کے

پیش نظر ترجمہ صوبہ مدراس کے جج سر۔ جی۔ نورٹن کے لیکچر کا مجموعہ ہے۔ جسے رام چندر اور پتمبر نے کیا ہے۔ اور سید مولوی محمد نے اس پر نظر ثانی کر کے انگریزی اصطلاحات کی ایک فہرست تیار کر کے اس کے ساتھ لگا دی۔ یہ نسخہ سالار جنگ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ کہیں بھی اس جانب اشارہ نہیں کیا گیا ہے کہ رام چندر اور پتمبر نے کن حصوں کے ترجمے کیے ہیں۔ پوری کتاب میں ترجمے کا انداز تقریباً ایک سا ہی ہے۔

اصول قواعد اخلاق اور قوانین

یہ ترجمہ انگریزی کی کتاب Principle of Lagislature سے کیا گیا ہے جس کے مصنف Benthan اور Dumont ہیں۔ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بترو نے کتاب ترجمہ کرانے کی غرض سے پہلے مرتب کیا۔ بعد میں پنڈت رام کشن نے ۱۸۴۳ء میں مسٹر بترو کی نگرانی میں ترجمہ کیا۔

Marfat.com

اصول سرکاری محاصل کے

یہ ترجمہ رام کشن نے پرنسپل مسٹر بترو کی کتاب کا کیا ہے جس کا نام ہے Principles of public Revenue with on Abstract of Revenue Laws in Bengal Presidency. یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے۔ اس کا موضوع سرکار کے آمدنی کے ذرائع سے متعلق ہے۔

اصول دھرم شاستر

یہ انگریزی کی کتاب Principles of Hindu Laws کا ترجمہ ہے جس کے مصنف W. H. Macnaghten ہیں۔ اس کتاب کے مترجم بھی پنڈت رام کشن ہی ہیں۔ یہ مختصر کتاب ہے جو کہ خلاصہ قوانین فوجداری کے ساتھ بھی مجلد ہے۔

قانون مال کا

یہ فارسی کی کتاب ''نسخہ رہنما'' کا اردو ترجمہ ہے جسے متعدد علماء نے مل کر کیا جو کہ دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ مالک رام کہتے ہیں:

> ''یہ کتاب بڑے سائز کے ۵۴۸
> صفحوں کو محیط ہے باب ۱-۹ (دفعہ ۲) تک
> کا مولوی سبحان بخش نے ترجمہ کیا؛ باب ۹
> (۲) اور باب ۱۰ کا مولوی امام بخش نے،
> باب ۱۱-۱۴ کا مولوی احمد علی نے، باب
> ۱۵-۲۳ کا میر سید محمد خوشنویس نے، اور

Marfat.com

باب ۲۴ سے آخیر تک (باب ۳۰) مولوی
حسن علی خاں نے ترجمہ کیا۔''۱۹

ان کے علاوہ قانون کی کچھ اور کتابیں ہیں جو ترجمہ ہوئیں ان میں پرنسپ کی کتاب Abstract of the Civil Law کا ترجمہ ''منشی حسینی'' نے کیا۔ ''سراجی'' (اسلامی قانون وراثت) کے انگریزی متن جو ''مکناٹن'' کا ہے، سے مولوی سید محمد اور ماسٹر حسینی نے ترجمہ کیا ہے۔ مکناٹن کی ایک اور کتاب ''قانون محمدی فوجداری'' کا ترجمہ بھی ماسٹر حسینی نے ہی کیا اور'' شرع اسلامی'' کا ترجمہ مولوی سید محمد اور ماسٹر حسینی نے کیا۔

ریاضی (Mathmatics)

اصول علم مثلث وتراش ہائے مخروطی وعلم ہندسہ بالجبر

ماسٹر رام چندر نے ۱۸۴۴ء میں یہ ترجمہ کیا اس وقت وہ دہلی کالج میں طالب علم تھے اور پرنسپل مسٹر بترو کی زیر نگرانی تراجم کا کام بخوبی انجام پا رہا تھا۔ یہ کتاب تین مصنفین کی مختلف کتابوں کا ترجمہ ہے جسے مشرقی شعبہ کے طلبہ کے لئے ماسٹر رام چندر نے مرتب کیا ہے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی رقم طراز ہیں۔

> ''یہ کتاب ہٹن (Hutton)،
> بوشارلٹ (Boucharlet) اور سائمن
> (Simon) کی علم مثلث (Trigonometry)
> تراش ہائے مخروطی (Conic Sections)
> اور علم ہندسہ بالجبر (Analytical
> Geometry) سے متعلق کتابوں کے

Marfat.com

تراجم سے مرتب کی گئی تھی۔'' ۲۰

آزاد لائبریری علی گڑھ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ اس نسخہ میں پہلی بار سرورق کے بائیں کونے پر اردو میں ''سوسائٹی'' لکھا ہوا ہے۔ صفحہ نمبر ایک سے اصل متن کا آغاز کرتے ہیں پہلا عنوان ہے ''علم مثلث مستقیم الاضلاع باالہندسہ'' متن صفحہ نمبر ۳۱۳ پر مکمل ہو جاتا ہے۔

اصول جبر ومقابلہ

طلبہ کی دشواریوں کے مدنظر رام چندر نے یہ رسالہ تالیف کیا۔ دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا زیرنظر نسخہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ ۴۷۸ صفحات پر یہ مشتمل ہے جبکہ آخر کے چار صفحات غلط نامہ کے ہیں۔

سات ابواب پر کتاب کو تقسیم کیا ہے۔ ہر باب میں چند فصلیں ہیں کل ملا کر ۵۸ فصلیں ہیں، صفحہ ۵ خالی ہے، ۶ پر خط جلی میں یا ''فتاح'' کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہے۔ بعد ازاں دیباچہ کی عبارت ہے۔ صفحہ ۷ سے اصل متن آغاز ہوتا ہے جس میں ضرب، تقسیم، گھٹا اور جمع وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے۔ جابجا مثالیں دیکر پوری وضاحت سے بات کو سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔

اصول علمِ حساب، جزئیات وکلیات

(The Principles of the Differential & Integral Calculus)

رام چندر کی یہ کتاب ممکن ہے کسی لائبریری میں ہو لیکن ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکی ہے مالک رام نے اس کا ذکر کیا ہے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کو اس کا علم ۲۹/ دسمبر ۱۸۴۵ء کو فوائد الناظرین میں شائع ایک اشتہار کے ذریعہ ہوا۔ اخبار کے اس اشتہار میں پہلے جزئیات اور کلیات کے فن اور اصولوں سے بحث کی گئی ہے اور آخر میں

Marfat.com

کتاب پر تبصرہ ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ ترجمہ مشہور ریاضی داں بوشارٹ (J.L.Bouchalet) کی کتاب سے کیا گیا ہے اخبار لکھتا ہے:

''اس علم میں ایک کتاب رام چندر جو
کہ ایک طالب علم مدرسہ انگریزی کے ہیں
زبان انگریزی میں سے زبان اردو میں
ترجمہ کیا ہے اور صفحے اس کتاب کے قریب
چھ سو کے ہیں سوائے کتاب بوشارٹ
صاحب کے جس سے ترجمہ کیا گیا ہے
مترجم نے بہت محنت اور مشقت سے
مثالیں مختلف کتابوں اس فن سے نکالی
ہیں''[۱۲]

سریع الفہم

علم حساب سے متعلق یہ کتاب ماسٹر رام چندر نے ابتدائی درجے کے بچوں کے لئے لکھی ہے۔ جس میں سیدھے سادھے انداز میں روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والے حساب کے طریقے بتائے گئے ہیں اور لطیفوں ہی لطیفوں میں بہت سے حساب کے گر بتا دیئے ہیں۔ اس کا نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ پہلا نسخہ ۱۸۴۹ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی کالج کا چھپا ہوا ہے۔ ماسٹر رام چندر کے سمجھانے کا انداز بڑا نرالا ہے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ضرب اکٹھا کرنا ایک عدد کا ہے
موافق مقدار اکائی دوسرے عدد کے یعنی ۵
کو ۶ میں ضرب دینے سے یہ غرض ہے کہ ۵

Marfat.com

کو ۶ بار اکٹھا کرلیں اور جن دو عدد کو کہ
آپس میں ضرب کرتے ہیں ایک مضروب
اور دوسرے کو مضروب فیہ اور تیسرے عدد کو
کہ حاصل ہوتا ہے حاصل ضرب کہتے
ہیں اور حاصل ضرب اکائیوں کا اکائیوں
میں اس جدول سے ظاہر ہے"[۲۲]

رسالہ مسائل کلیات وجزئیات

(A Treatise on the Problems of Maxima & Minima)

رام چندر کی یہ ایک اہم کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنی علمی صلاحیت اور دماغی اختراع سے کچھ اصول پیش کئے ہیں۔ اس کے شائع ہوتے ہی تعریف وتنقید کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسٹر بیتھون کے ذریعہ جب یہ یورپ پہنچی تو وہاں کے ماہرین ریاضی اس قدر متاثر ہوئے کہ شاید ہی کسی ہندوستانی کو یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ خصوصاً لندن یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر آگسٹس ڈی مارگن (Augustus De Margon) کا نام قابل ذکر ہے۔ جنھوں نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو خط لکھا اور کوشش کر کے حکومت سے رام چندر کو انعام دلوایا۔

پروفیسر مارگن نے اس کتاب کو "ہندو فکر کی تجدید" سے تعبیر کیا اور اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یونانی اور ہندوستانی ریاضیات کی مختلف وممتاز خصوصیات اس رسالے میں ہم کنار ہو گئیں۔ ۱۸۵۹ء میں پروفیسر مارگن نے اپنے طویل مقدمے کے ساتھ بڑے اہتمام سے لندن سے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن ہارڈنگ لائبریری دہلی میں موجود ہے۔ اس میں پروفیسر مارگن نے رام چندر کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان وجوہ کو بھی پیش کیا جن کی بنا پر مصنف اور اس کی تصنیف کو اس اعزاز کے قابل سمجھا۔

Marfat.com

اس کتاب پر تنقید بھی ہوئی جس میں کلکتہ ریویو پیش پیش تھا۔ اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ ہی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ کلکتہ ریویو کی تنقیدوں سے ماسٹر رام چندر کو دکھ پہنچا اور ان اعتراضات کا جواب انھوں نے اخبار انگلش مین (Englishman) میں شائع کروایا۔ ۲۳

لیلاوتی

یہ دہلی کالج کے فیض تربیت کا اثر ہے کہ ہر فرد علمی مشاغل میں مصروف نظر آتا ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت جو دہلی کالج میں خوش نویس کی خدمت پر مامور تھے جن کا نام سید محمد خوش نویس۔ انھوں نے ''لیلاوتی'' کا سلیس اور سادہ ترجمہ اردو زبان میں کیا دراصل یہ کتاب سنسکرت میں ہے اور اسی سے فارسی میں منتقل ہوئی۔ انھوں نے سنسکرت اور فارسی دونوں نسخوں کو مدِ نظر رکھ کر ترجمہ کیا۔

ترجمہ مکمل ہونے پر مولوی کریم الدین کی نگرانی میں اس کو ۱۸۴۵ء میں رفاہِ عام پریس سے شائع کیا۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں یہ محفوظ ہے کل ۲۰۴ صفحات ہیں آخری ۴ صفحات اغلاط نامہ ہے۔ یہ حساب کی کتاب دوسری، تیسری اور چوتھی کلاس کے بچوں کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس لئے یہ عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے۔

علم مثلث

یہ دو چھوٹے رسالوں پر مشتمل حساب کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جسے دہلی کالج کے معروف اسکالر منشی ذکاء اللہ نے کیا ہے۔ آزاد لائبریری علی گڑھ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ دونوں رسالوں میں دیباچہ اور فہرست نہیں ہے۔ چونکہ یہ حساب کے ابتدائی رسالے ہیں۔ اس لئے مخاطب کو سمجھانے کے لئے کسی قدر وضاحت کی گئی ہے۔ منشی ذکاء اللہ نے علم حساب کی اصطلاحات کو بڑی خوبصورتی سے اردو کے قالب

Marfat.com

میں ڈھالا ہے۔ ایسے خشک موضوع پر ترجمہ کرتے ہوئے زبان و بیان میں سلاست وروانی برقرار رکھنا بڑا مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن انھیں حساب میں خصوصی دلچسپی کے باعث دقت نہ ہوئی۔

اصول علم حساب

یہ منشی ہردیو سنگھ نے دیمورگن (De Margan) کی کتاب Principles of Arithmetic کا ترجمہ کیا ہے۔ منشی جی اس وقت قدیم دہلی کالج میں لایبریرین کے عہدے پر کام کررہے تھے۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ کالج کے اساتذہ اور طلباء ہی نہیں بلکہ دوسرے حضرات بھی ترجمے کے کام میں مصروف تھے جو کہ نئے علوم کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے ذوق کا پتہ دیتا ہے۔ یہ نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے مالک رام نے منشی ہردیو سنگھ کے ساتھ منشی اشرف علی اور پنڈت اجودھیا پرشاد کو بھی ان کے مددگار کے طور پر مانا گیا ہے۔

تحریر اقلیدس

مولوی مملوک علی نانوتوی نے اقلیدس سے متعلق مقالوں کا ترجمہ کیا ہے۔ مولوی نانوتوی دہلی کالج میں شعبۂ عربی کے صدر مدرس تھے۔ یہ انتہائی قابل، فاضل، ذہین اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ مولوی کریم الدین نے اپنے تذکرہ میں ان کی بڑی تعریف کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کی ذات سے جتنا فیض ہوا ہے کہ شاید کبھی کسی زمانے میں کسی استاد سے ہوا ہو۔ طلباء میں بہت مقبول تھے اور ساتھ ہی انتہائی پابند شریعت بھی تھے جس سے لوگ بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کا اصل موضوع مذہبیات ہے لیکن علم ہندسہ اور اقلیدس سے بھی غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔

مالک رام نے کل بارہ مقالوں کا ترجمہ بتلایا ہے[۲۴]۔ جو کہ مطبع العلوم مدرسہ

Marfat.com

دہلی سے شائع ہوا۔لیکن سن اشاعت درج نہیں ہے۔مگر مولوی کریم الدین کا کہنا کچھ اور ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''تحریر اقلیدس کا ترجمہ اردو میں چار
> مقالہ اول کا اور دو مقالوں آخر گیارہویں
> اور بارہویں کا کیا ہے۔حق یہ ہے کہ علم
> ہندسہ کو پانی کی طرح بہادیا ہے''۲۵

مولوی کریم الدین ہی کی بات معتبر قرار دی جائے گی کیونکہ وہ معاصرین میں سے ہیں۔

علم طبیعات (PHYSICS)

رسالۂ علم طبیعی

یہ انگریزی کی کتاب Elements of Natural Philosophy کا ترجمہ ہے جسے پنڈت اجودھیا پرشاد اور منشی شیو پرشاد نے مل کر کیا ہے۔سات ابواب پر مشتمل اس کتاب کے پہلے چار ابواب (علم ادات،علم ہیئت،علم آب،علم ہوا) کا ترجمہ پنڈت اجودھیا پرشاد نے کیا۔جبکہ آخری تین ابواب (علم مناظر،علم الکٹریسٹی، علم دلائل درباب گردش زمین) کا ترجمہ منشی شیو پرشاد نے کیا ہے۔

اس کے کئی نسخے دستیاب ہیں جو سالار جنگ حیدرآباد، رضا وصولت لائبریری رام پور اور خدابخش پٹنہ میں موجود ہیں۔قدیم ترین نسخہ ۱۸۴۲ء کا سالار جنگ حیدرآباد میں ہے۔کسی نسخہ میں مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ نہیں ہے۔اس کتاب کی اہم بات یہ ہے کہ ہر جگہ زیر، زبر اور پیش کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔اور چھوٹے قوسین کا استعمال بھی ہے۔کتاب میں جابجا شکلیں بنا کر سمجھایا گیا ہے۔

Marfat.com

رسالہ مقناطیس

یہ انگریزی کی کتاب Magnetism کا ترجمہ ہے جسے سید کمال الدین حیدر لکھنوی نے کیا ہے۔ یہ مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی اس میں کہیں بھی فہرست، دیباچہ یا مقدمہ موجود نہیں ہے۔

رسالہ پیمائش زمین کا

یہ رسالہ منشی ہر دیو سنگھ Theodolite کے رسالہ Practical Land Surveying کا ترجمہ کیا ہے۔ جس میں قادر علی نے ان کی مدد کی تھی۔ مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے ۱۸۴۸ء میں یہ شائع ہوا۔

یہ رسالہ آلات زمین کی پیمائش سے متعلق ہے جس میں آلات کے بنانے اور ان آلات کے استعمال کا ذکر کرتے ہیں کہ کن کن موقعوں پر کام آتے ہیں۔ پہاڑوں کی پیمائش کے طریقے اور ان سے متعلق آلات عمارتیں بنانے میں زمین کی پیمائش اور ان سے متعلق آلات سڑکیں بنانے اور ان سے متعلق آلات وغیرہ کا ذکر نہایت تفصیل سے ہے۔

خدا بخش لائبریری میں یہ رسالہ موجود ہے۔ اس میں آلات کی خوبصورتی اور صاف ستھری تصویریں بنائی گئی ہیں۔ اپنے وقت میں اس چھوٹے سے رسالے کی بڑی قدر رہی ہوگی۔

رسالہ اصول کلوں کے باب میں

T.Tales کی کتاب Elements of Machanism کا ترجمہ ہے۔ جسے رام چندر نے کیا ہے۔ یہ ٹامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا ۲۶۱۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس وقت وہ دہلی کالج چھوڑ چکے تھے اس لئے اس کا درنا کلر ٹرانلیشن سوسائٹی سے تعلق نہیں تھا تاہم ماسٹر رام چندر کی دہلی کالج سے قدیم وابستگی کی وجہ سے اس کا ذکر کیا جارہا ہے۔

سالار جنگ حیدرآباد میں یہ نسخہ محفوظ ہے۔ جس میں مقدمہ، دیباچہ اور فہرست وغیرہ نہیں ہے۔ پھر بھی عنوانات کے تحت اس کو گیارہ ابواب میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس میں ان تمام چھوٹی بڑی مشینوں اور کلوں کا بیان ہے جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں کام آتی ہے۔ ان مشینوں اور کل پرزوں کی بہت خوبصورت اور صاف ستھری تصویریں بنائی گئی ہیں تاکہ طلباء ان سے واقف ہوجائیں اور ان کا استعمال آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

یہ ترجمہ رام چندر کی آخری عمر کا ہے جس میں ۲۰ سالہ زندگی کا تجربہ کارفرما ہے۔ لہذا عبارت بہت رواں اور عام فہم ہے سائنس کے مسائل کو سمجھانے کے لئے بہت ہی سلجھا ہوا انداز ہے۔ واضح اور مختصر الفاظ بھی ایک بڑی خوبی ہے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا کہنا ہے:

> ''اس سائنسی اسلوب کو رام چندر ہی
> نے اردو میں متعارف کرایا اور ایک بلند
> معیار تک پہنچایا طرز تحریر سے کہیں بھی یہ
> پتہ نہیں چلتا ہے کہ یہ رسالہ کسی انگریزی
> تصنیف کا ترجمہ ہے'' ۲۷

رسالہ علم ادات

یہ ترجمہ پنڈت رادھا کشن مدرس دوم انگریزی کا ہے جو انھوں نے Young کی Machanism سے کیا ہے۔ مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا۔

Marfat.com

اس رسالے میں جیومیٹری کی شکلیں بنانے اور ان کے اصولوں پر مختلف کل پرزے بنانے کا طریقہ سکھایا ہے۔تصویروں اور شکلوں کے ذریعہ قاری کو سمجھایا گیا ہے۔مولوی عبدالحق نے علم معدنیات نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جو کہ زیر ترجمہ تھا لیکن مصنف اور مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

کیمیا(CHEMISTRY)

اصول قواعد مایعات[۲۸]

دراصل یہ Thomas Webster کی کتاب The Principle of Hydrotatics کا ترجمہ ہے جسے اجودھیا پرشاد نے کیا اور دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا اس کا نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے اس میں ۱۷ ابواب اور کئی ذیلی سرخیاں ہیں۔

مترجم نے سائنس کی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ بعینہٖ اردو میں اسے منتقل کر دیا ہے پوری کتاب میں صرف دو ترجمے ملتے ہیں:

۱- مایعات Hydrostatics اور

۲ - الکوہل Spirit

بقیہ اصطلاحیں مثلاً کاربولک ایسڈ، آکسیجن گیس ، نائٹروجن گیس وغیرہ انگریزی تلفظ کے مطابق اردو زبان میں لکھ دئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ کیمیا کی کچھ کتابیں اردو میں ترجمہ ہوئیں جنھیں مولوی عبدالحق نے مرحوم دہلی کالج میں تراجم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ان میں لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ حرارت نام سے ، پارکر کا ترجمہ رسالہ کیمسٹری، زاجٹ کی کتاب کا ترجمہ رسالہ علم برق ،ایک انگریزی کتاب Double

Marfat.com

Refrection & Polarisation of Light کا ترجمہ اور Hydraulics کا ترجمہ شمار کیا ہے لیکن مصنف اور مترجم کا علم نہیں ہو سکا۔

طب (Medicine)

رسالہ بیچ بیان اعمالِ جراحی کے

اب تک دستیاب شدہ کتابوں میں پہلا انگریز مترجم ملا ہے۔ یہ ہے ڈاکٹر جوژف ہنری ٹیلر جنھوں نے Cooper کی کتاب Treatise on Surgery کا اردو ترجمہ کیا۔ مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے یہ ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا۔

یہ نسخہ رضا لائبریری رام پور میں مع سرورق محفوظ ہے۔ سرورق پر انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں کتاب اور مترجم کا نام صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے۔ متن میں جو انگریزی الفاظ اردو میں لکھے ہیں حاشیہ میں انھیں انگریزی میں لکھ دیا ہے اس میں کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سرجری سے متعلق کتاب ہے۔

رسالہ علم طب

اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور اور ایک خدا بخش پٹنہ میں محفوظ ہے۔ لیکن کہیں سے بھی مترجم کا نام ظاہر نہیں ہوتا۔ مولوی عبدالحق نے اپنی فہرست میں رسالۂ طب کے نام سے ۸۸ اور ۱۱۲ نمبر پر دو جگہ ذکر کیا ہے۔ نمبر ۱۱۲ پر کتاب کے نام کے ساتھ ''انگریزی سے'' لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انگریزی زبان سے ترجمہ کیا گیا اس لئے غالباً یہ ۱۱۲ والا ہی نسخہ ہے۔ یہی نسخہ مالک رام کے نظر سے بھی گذرا اس میں وہ مترجم کے نام کے آگے پنڈت رام کشن لکھتے ہیں۔ یہ نسخہ انھوں نے

Marfat.com

کہاں دیکھا اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ ممکن ہے مالک رام نے اپنی تصنیف قدیم دہلی کالج میں مولوی عبدالحق کے اس بیان کو بنیاد بنا کر مترجم کا نام لکھ دیا ہو جس میں وہ لکھتے ہیں:

''پنڈت رام کشن دہلوی بھی اسی
مدرسے میں تھے انگریزی اور فارسی میں
بہت اچھی قابلیت تھی اور اردو میں خوب
لکھتے تھے۔ایک رسالہ علم طب میں
انگریزی سے ترجمہ کیا'' ۲۹

بہرحال مترجم کوئی بھی ہو اس کی زبان صاف ستھری اور عمدہ ہے۔ عبارت میں روانی اور تسلسل ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی فہرست میں طب سے متعلق تین اور کتابوں کا ذکر کیا ہے جو زیر ترجمہ تھیں۔ یہ ہیں علم وعمل طب (عربی سے)، حفظان صحت اور عضویات (علم افعال عضویات)۔

جغرافیہ (Geography)

جغرافیہ ہند

مولوی کریم الدین نے تذکرہ شعرائے اردو میں فن جغرافیہ سے متعلق چار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک کتاب جغرافیہ ہند ہے۔ جس کے مترجم پنڈت شیو نرائن اور سروپ نرائن ہیں۔ شیو نرائن کے بارے میں مولوی کریم الدین لکھتے ہیں:

''ایک طالب علم مدرسئہ دہلی کا اچھے
طالب علموں میں ہے تذکرہ ڈیموستھینز کا

Marfat.com

ترجمہ انھوں نے کیا اور جغرافیہ ہندوستان کا
اردو میں لکھا ہے'' ۳۰؎

یہ نسخہ خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ دیگر تین کتابیں ٹریل کا ترجمہ جغرافیۂ طبعی، جغرافیۂ قدیم کے نقشے اور اٹلس (جغرافیہ) ہیں مولوی عبدالحق نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ مالک رام نے ایک کتاب جغرافیہ بزبان اردو کا ذکر کیا ہے۔

مذہبیات (Religion)

صحیح بخاری

دہلی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اشپرنگر کو اسلامیات میں غیر معمولی دلچسپی تھی ہندوستان کے کئی شہروں میں ان کا تقرر ہوا ہر جگہ وہ اسلامی علوم سے متعلق کتابوں کو شائع اور تصنیف کرتے رہے۔ چنانچہ جب وہ کلکتہ مدرسہ عالیہ میں پرنسپل رہے تو علماء کے تعاون سے علامہ سیوطی کی کتاب الاتقان في علوم القرآن اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ في معرفۃ الصحابۃ کو شائع کیا اور آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر بھی ایک کتاب انگریزی میں لکھی۔ دلی کالج میں قیام کے دوران'' صحیح بخاری'' کو شائع کروایا انور سدید کہتے ہیں۔

''صحیح بخاری اور بہار عجم کی اشاعت
اور آثار الصنادید کی تالیف (ڈاکٹر
اشپرنگر) کی تحریک پر ہوئی۔'' ۳۱؎

سنن ترمذی

شعبۂ عربی کے صدر مدرس مولانا مملوک علی نانوتوی نے حدیث کی ایک دوسری

Marfat.com

مشہور کتاب ''سنن ترمذی'' کو شائع کیا۔ مولوی عبدالحق اور مالک رام نے بھی اس کا تذکرہ کیا لیکن سنِ اشاعت اور مطبع کا نام درج نہیں ہے۔

رسالہ در اثباتِ وجودِ باری

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ ریون شا اس کے مترجم ہیں اس کتاب میں اول تا آخر وجود باری تعالیٰ یعنی ''اللہ تعالیٰ'' پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصہ میں خداوند قدوس کے وجود کو دلائل سے ثابت کیا ہے دوسرے حصہ میں اس کی نعمتوں کا ذکر ہے جبکہ تیسرے حصہ میں اس کے قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے۔

اعجاز القرآن

یہ ماسٹر رام چندر کی تصنیف ہے۔ جس وقت انھوں نے یہ کتاب لکھی وہ ریاست پٹیالہ میں ڈائرکٹر تعلیمات کے عہدے پر تھے اور عیسائی مذہب کو قبول کر لیا تھا۔ یہ نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔

یہ ۱۵۸ صفحوں اور پانچ ابواب پر مشتمل وہ کتاب ہے جس میں اسلام پر اعتراضات خصوصاً قرآن کو معجزہ کہنے سے انکار اور اس عقیدہ کو باطل کہا ہے اس کے جواب میں ''اعزاز قرآن'' کے نام سے ایک رسالہ نصرت المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ۳۲

رسالہ تحریف قرآن

یہ بھی ماسٹر رام چندر کی تصنیف ہے جس کا علم دہلی کے ایک اخبار مہر درخشاں کے شمارہ ۱۱ ستمبر ۱۸۷۷ء سے ہوتا ہے۔ اخبار کے مطابق رام چندر نے قرآن میں تحریف کا الزام لگایا ہے اور اپنے اس دعویٰ کے لئے قرآن مجید کے الفاظ مختلف قرآت

Marfat.com

ومنسوخ التلاوۃ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے اخبار ہی کے مطابق مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے ''تعریف القرآن'' کے نام سے اس کے جواب میں ایک رسالہ شائع کیا۔[۳۳]

اعتراض قرآن

رام چندر ہی اس کے مصنف بھی ہیں جس کا علم مقالات گارساں دتاسی کے ذریعہ ہوتا ہے اس میں رام چندر نے اسلامی عقائد پر تنقید کی ہے۔ مزید کچھ روشنی اس پر نہیں ڈالی گئی۔ چنانچہ موسیو گارساں دتاسی صرف اتنا لکھتا ہے:

> ''اعتراض قرآن میں رام چندر نے اسلامی عقائد پر تنقید کی ہے۔ شورش عظیم سے قبل رام چندر دہلی کالج میں پروفیسر تھے''[۳۴]

مسیح الدجال

اس کا علم بھی ہمیں گارساں دتاسی کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ انھوں نے اسے ماسٹر رام چندر کی تصنیف بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ہندستانی عیسائیوں کی مطبوعات میں سے ایک خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اس کا عنوان ہے ''دجال مسیح'' اور مولف کا نام رام چندر ہے..... مصنف کا روئے سخن کتاب میں پیغمبر اسلام کی جانب ہے''[۳۵]

رام چندر نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) بہت

Marfat.com

سخت سست کہا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ قرآن وحدیث کے مطابق عیسائی اصل ایمان والے ہیں نہ کہ مسلمان۔ مقالات گارساں دتاسی کے مطابق ہی میرزا فتح محمد بیگ نے اس رسالے پر ایک محققانہ تبصرہ شائع کر کے اس کا جواب دیا تھا اور ''عیسائی مبلغوں کے ادھ کچرے علم کی خوب دھجیاں اڑائی ہیں''۔

اصول علم منطق

یہ فن منطق پر عربی کی مشہور کتاب ''شمسیہ'' کا ترجمہ ہے جس کو مولوی سید محمد نے کیا تھا۔ یہ ۵۰ صفحات کی کتاب ہے۔ دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی۔

مولوی عبدالحق نے مذہبی موضوعات پر سوسائٹی کے تحت جو کتابیں شمار کرائی ہیں ان میں مختصر قدوری، رسالہ احکام الایمان اور پالے کی نیچرل تھیولوجی بھی شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تراجم وتصانیف کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک قلیل عرصہ میں دہلی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے ہمارے علمی سرمایہ میں نہ صرف یہ کہ گرانقدر اضافہ کیا بلکہ نئی روشنی، نئی زندگی اور جدید ذہن عطا کیا اور بقول انور سدید:

> ''دلی کالج میں تراجم کی بدولت نشاۃ ثانیہ کا طلوع ہوا....ان تراجم نے اردو زبان کی بے بضاعتی، کم مائیگی اور علمی مفلسی دور کرنے میں گرانقدر حصہ لیا.....
> دلی کالج کی مطبوعات پر ایک نظر ڈالئے تو احساس ہوتا ہے کہ تھوڑے سے عرصے میں کتنے متنوع مضامین ہندستانیوں کی علمی دسترس میں آگئے تھے''۔[۹۴]

Marfat.com

میں یہ دعویٰ کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں پر جتنی مطبوعات، تالیفات اور تراجم کا ذکر ہوا ہے بس انھیں کا تعلق سوسائٹی سے رہا ہے۔ نہیں! بلکہ تحقیق کے دوران میری ان تک رسائی ہوئی ہے اور یقیناً مزید اس میں اضافہ کی گنجائش باقی ہے۔ آئندہ کوئی محقق سوسائٹی اور قدیم دلی کالج پر پڑی ہوئی زمانے اور حادثات کی دبیز چادر کو چاک کر کے جھانکے تو اسے ممکن ہے کچھ اور علمی سرمایہ ہاتھ لگے جو کہ ہمارے جمود کو توڑنے کا سبب بن سکے۔

حواشی

۱. سید فیاض محمود، تاریخ ادبیات مسلمانِ پاکستان و ہند، آٹھویں جلد،
(لاہور: پنجاب یونیورسٹی پاکستان) ص ۱۷

۲. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۵ء) ص ۱۵.

۳. ایضاً " " " ص ۱۳۸-۱۴۲

۴. ایضاً " " " ص ۱۴۲

۵. ایضاً " " " ص ۵

۶. ایضاً " " " ص ۱۴۳-۱۴۴

۷. ایضاً " " " ص ۱۳۷-۱۴۰
اور پریم پال ۶۴: اشک، قدیم دلی کالج نمبر
دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء، ص ۱۹۳۵-۱۹۳۶.

۸. مولوی عبدالحق، خطبات حصہ دوم
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۴ء) ص ۴۴

۹. ایضاً " ص ۴۵

۱۰. موسیو گارساں دتاسی، خطبات

Marfat.com

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۳ء) ص ۳۸۷ تا ۳۸۹.

۱۱. ماسٹر رام چندر، عجائبات روزگار
(دہلی: مطبع دہلی اردو اخبار، ۱۸۴۷ء) ص ۹

۱۲. موسیو گارساں دتاسی، خطبات
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۳ء) ص ۱۸۸

۱۳. مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۵ء) ص ۱۵۲.

۱۴. ملاحظہ ہو مولوی کریم الدین، طبقات شعرائے ہند، ص ۴۷۲

۱۵. محمود الہٰی، بازیافت، مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۵ء، ص ۱۶۸

۱۶. مولوی کریم الدین، دیباچہ تاریخ ہندستان، لکھنو: مطبع نولکشور، ۱۸۸۶ء

۱۷. مالک رام، قدیم دلی کالج
(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، فروری ۱۹۷۵) ص ۷۰.

۱۸. ایضاً " " ص ۷۱

۱۹. ایضاً " " ص ۷۴

۲۰. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، اگست ۱۹۶۱ء) ص ۸۲

۲۱. ایضاً " " " ص ۸۴

۲۲. ماسٹر رام چندر، سریع الفہم،
(دہلی: مطبع العلوم مدرسۂ دہلی، ۱۸۴۹ء) ص ۹

۲۳. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو
ماسٹر رام چندر، پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ص ۸۹ تا ۹۱

۲۴. مالک رام، قدیم دہلی کالج
(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، فروری ۱۹۷۵ء) ص ۶۸.

۲۵. ایضاً " " " ص ۶۸

Marfat.com

۲۶۔ مولوی کریم الدین، قدیم دلی کالج نمبر
(دہلی: دلی کالج اردو میگزین، ۱۹۵۳ء) ص۱۹۴.

۲۷۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر،
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، اگست ۱۹۶۱ء) ص ۸۷

۲۸۔ ''قواعد مایعات'' میں لفظ ''مایعات'' سرورق پر (ی) کے دو لفظوں کے ساتھ لکھا ہے۔ لیکن متن میں کہیں نقطے لگائے ہیں، کہیں نہیں لگائے ہیں، اس کے علاوہ مالک رام نے اپنی تصنیف قدیم دلی کالج میں مایعات کے بجائے ''مائیات'' لکھا ہے۔

۲۹۔ مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۵ء) ص ۱۵۴

۳۰۔ مولوی کریم الدین، تذکرہ شعرائے اردو
(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۹۴۸ء) ص ۶۷

۳۱۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں
(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱) ص ۳۰۵

۳۲۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، اگست ۱۹۶۱ء) ص ۹۲

۳۳۔ ایضاً '' '' ص ۹۴

۳۴۔ گارساں دتاسی، مقالات حصہ اول
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۳ء) ص ۷۷

۳۵۔ ایضاً '' حصہ دوم '' '' ص ۵۱-۵۲

۳۶۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں
(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱) ص ۳۰۵

Marfat.com

باب پنجم

Marfat.com

Marfat.com

ہندوستانی مذہبی روایات اور قدیم دہلی کالج

مذہبی رواداری

ہندوستان عہد قدیم سے ہی ایک روادار ملک رہا ہے۔ یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے باہم شیر وشکر ہوکر ایک ساتھ رہتے چلے آرہے ہیں۔ بدقسمتی سے اگر کسی حکمراں یا طبقہ نے مذہبی جبر وتشدد کا مظاہرہ کیا تو عوام نے نفرت اور لڑنے کے بجائے مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ثبوت پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں کے تشدد کے خلاف جب گوتم بدھ نے آواز بلند کی اور اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا تو بڑی تعداد میں لوگ ان کے ہمنوا بن گئے اور اشوک کے وقت میں وادیٔ گنگا سے لے کر بحر ہند کے ساحل بلکہ آگے سری لنکا تک ان کے پیروکار موجود تھے۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب سے مسلمان حملہ آوروں کی آمد سے بہت پہلے مالابار کے ساحل پر عرب تاجر اپنی بستیاں قائم کر چکے تھے اور مقامی ہندو عورتوں سے شادی کرکے مذہبی رواداری کا ثبوت دے رہے تھے۔ دوسری جانب ہندو راجہ اور مہاراجہ بھی ان کا پورا خیال کرتے تھے۔ چنانچہ مسجدیں بنانے اور عبادت کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

اسی طرح مسلم حکمرانوں نے بھی اپنے صدیوں کے دور اقتدار میں اس بات کا

Marfat.com

لحاظ رکھا اور اپنی رعایا کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر تفریق نہیں کی بلکہ اعلیٰ عہدوں اور منصبوں پر غیر مسلموں کو بھی رکھا۔ بلا امتیاز مذہب وملت جاگیریں بھی عطا کیں اس کی سب سے عمدہ مثال بابر بادشاہ کی ہے۔ اگر کسی نے مذہبی جبر کی کوشش کی تاریخ نے اسے معاف نہیں کیا۔ اسے بقاو دوام اور ملک کو استحکام نصیب نہیں ہوا۔ اس بات سے شہنشاہ بابر بخوبی واقف تھا کہ اگر ہندستان میں اپنے اقتدار کو لمبے عرصہ تک قائم رکھنا ہے تو مذہبی رواداری کی پالیسی کو اپنانا ہوگا چنانچہ مغل سلطنت کی بنیاد رکھنے کے بعد اس نے اپنے فرزند ہمایوں کو ان الفاظ میں وصیت کی:

> ''اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے الحمد اللہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا کی۔ تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصّبات مذہبی کو لوحِ دل سے دھو ڈالو اور عدل وانصاف میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ نہیں کر سکتے... عوام کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے.... جس طرح انسان کے جسم میں مل جل کر چار عناصر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے''[1]

Marfat.com

تاریخ شاہد ہے کہ اکثر مسلم شہنشاہوں نے ہندستانی رسوم اور لوگوں کے جذبات کا پورا پورا خیال رکھا۔ انسانوں کے افکار و خیالات اور سوچنے سمجھنے کے انداز پر اس کے ذہنی تربیت اور تعلیم کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ پرورش تربیت اور ماحول ہی انسان کو تنگ نظر یا وسیع النظر، متعصب یا روادار، ظالم یا عادل بناتا ہے۔ اس لئے تعلیم گاہوں کو سیکولر ہونا ضروری ہے۔ سیکولر سے میری مراد لا مذہبیت نہیں بلکہ مذہبی غیر جانبداری سے ہے۔ قدیم دہلی کالج مذہبی، مشرقی اور مغربی وسائنسی تعلیم والا ایک سیکولر ادارہ تھا۔ جہاں مختلف مذاہب اور افکار والے افراد موجود تھے۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک تھی وہ ہے ہندوستانی مذہبی روایات اور رواداری و غیر جانبداری کا پاس ولحاظ۔

قدیم دہلی کالج سے قبل مدارس اور مذہبی تعلیم

قدیم دہلی کالج سے قبل ہندوستان میں مدارس کی شکل میں تعلیم گاہیں موجود تھیں جنھیں سرکاری امداد حاصل رہتی تھی۔ ہر دور اور عہد میں سلاطین اور بادشاہوں نے اپنے اپنے طرز پر مدارس قائم کئے۔ غلام، خلجی، تغلق، لودھی سلاطین اور مغل بادشاہوں نے بڑی تعداد میں مدارس قائم کئے۔ جن کے تفصیلی ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے صرف فیروز شاہ تغلق کے ذریعہ قائم کئے گئے ایک مدرسہ کا ذکر کافی ہوگا جو بڑی شہرت کا حامل تھا۔

فیروز شاہ تغلق نے سلطنت کے مختلف حصوں میں کم از کم ۳۰ مدرسے قائم کئے جس میں دہلی کے مدرسہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی اس کا نام مدرسہ فیروز شاہی تھا۔ اس وقت تک قائم کئے گئے تمام مدارس میں یہ سب سے زیادہ معیاری اور مشہور تھا جو اپنی شوکت، محل وقوع، حسن انتظام اور تعلیم کی عمدگی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس کے مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر تھے۔ مدرسہ کی عمارت بہت وسیع اور حوض خاص کے کنارے پر واقع تھی۔ مورخ آشر وادی لال شریواستو

Marfat.com

اس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فیروز تغلق کے اس مدرسے کی عمارت بڑی عالیشان تھی اور اسے ۱۳۵۲ء میں قائم کیا گیا تھا...... یہ دو منزلہ عمارت تھی۔ اس کے چاروں جانب محراب دار برآمدے تھے اور اس کی کھڑکیاں تالاب کی جانب کھلتی تھی...... اس کے صدر دروازہ کے درمیان ایک خوبصورت باغ تھا۔ اسی سے ملحق ایک مسجد اور کچھ قیام گاہیں تھیں جن میں امام مسجد اور خادموں کے رہائشی مکانات بھی تھے۔ مدرسہ کے کمروں میں شیراز یمن اور دمشق کے قیمتی قالین بچھے رہتے تھے۔ مولانا جلال الدین رومی اس کے صدر مدرس تھے۔ اور کئی مشہور اساتذہ اس میں درس دیتے تھے.... مدرسہ کے اساتذہ کو ایک مخصوص لباس پہننا ہوتا تھا۔ یہ پوشاک شامی جبّہ اور مصری عمامہ ہوتا تھا۔ مدرسہ کو سرکاری خزانہ سے امداد دی جاتی تھی۔ سبھی اساتذہ وطلباء کا مفت میں قیام وطعام کا نظم تھا''۔[۲]

فیروز شاہ تغلق کی تعلیمی خدمات میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس نے غلاموں اور بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ کی تعلیم کے علاوہ غلاموں کے بچوں کو

Marfat.com

صنعت وحرفت بھی سکھائی جاتی تھی۔ابن بطوطہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ فیروز شاہ نے لڑکیوں کے لئے بھی جداگانہ مدارس قائم کئے[۳]۔

مدارس کا یہ مضبوط نظام ، برطانوی حکومت کے قیام اور عصری علوم کے رائج ہونے سے قبل ہندوستان میں تھا۔ان مدارس کے تربیت یافتہ افراد حکومت کے اکثر عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔یعنی افادیت پسندی کا عنصر موجود تھا۔ساتھ ہی ساتھ مسلمان تعلیم کو دینی فریضہ بھی سمجھتے تھے۔یہ تعلیم مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ تعلیم کے تمام شعبوں کا تعلق مذہب ہی سے تھا۔لیکن ۱۸ویں صدی کے ربع آخر سے ہی تہذیبی قدروں میں تبدیلی شروع ہوگئی۔سیاسی بساط کی الٹ پھیر کے نتیجہ میں معیارزندگی اورغوروفکر کا انداز بھی بدلا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔جو صدیوں سے ہندوستان کا سیاسی مرکز رہا ہے۔عظیم مغل سلطنت کو لال قلعہ کے اندر قید کردیا گیا۔یہ ہندوستان کے لئے بڑے کرب کا وقت تھا۔تمام لوگ مغل شہنشاہ کو ہی حکومت کا حقدار اور اصل وارث سمجھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شورش میں انقلابیوں کی نظر کمزور، لاچار اور بوڑھے مغل بادشاہ بہادرشاہ ظفر پر ہی گئی اور انھیں کو اپنا سیاسی رہنما تسلیم کیا۔لیکن تمام کوششوں اور جتن کے باوجود انگریزوں کے قدم مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے گئے اس سے قبل بھی ہندوستان پر غیر ملکی حملہ آوروں نے متعدد مرتبہ حملہ کیا لیکن پہلے کبھی بھی ہندوستان نے اعتماد نہیں کھویا اور نہ ہی اس کا وقار مجروح ہوا۔ایسا پہلی دفعہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصہ میں سیاست،معیشت،معاشرت،تعلیم غرض کہ تمام شعبوں میں شکست ہی شکست کا سامنا تھا۔

دراصل یورپ نے نشاۃ ثانیہ کے بعد صنعتی انقلاب ، سائنسی ایجادات اور تعلیمی انہماک کے ذریعہ ترقی کے میدان میں ایک لمبی چھلانگ لگادی اور ایشیا مسلسل پسماندگی کا شکار رہا۔یہی وجہ ہے کہ تقریباً دوصدیوں تک یورپ نے ایشیائی اور افریقی

Marfat.com

ممالک کو غلام بنائے رکھا۔اور یہ ممالک خام مال کی فراہمی اور اپنے آقاؤں کی مصنوعات کی کھپت کے لے صرف منڈی بن کر رہ گئے۔جس سے ان تمام کی بالخصوص ہندوستان کی معیشت تباہ ہوگئی اور یہ ملک بدحال فاقہ کش،لاچار اور قحط سے دوچار ہوگیا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سائنسی اور تکنیکی علوم ہی وہ بڑا اور موثر ہتھیار تھا جس کو لے کر مٹھی بھر یوروپی لوگ اٹھے اور ایشیائی وافریقی قوموں کو بڑی آسانی سے زیر کرلیا۔لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تعلیمی میدان میں برطانوی حکومت نے اپنے مقاصد اور مفاد کے مطابق ہی دلچسپی لی۔انگریزوں کو دفتری کلرکوں اور کچھ عہدوں کے لئے ہندوستانیوں کی ضرورت تھی۔اس لئے کچھ کالج کھولے گئے یا مشرقی علوم کے ساتھ مدارس میں مغربی علوم کو بھی رائج کیا گیا۔ایسا ہی ایک ادارہ دہلی کالج بھی تھا۔

جیسا کہ کہا چکا ہے کہ دلی کالج سے قبل جتنے بھی مدارس تھے وہ تمام مسلم علماء کے ہاتھوں میں تھے اور اس کا فائدہ بھی زیادہ تر مسلمان ہی اٹھاتے تھے اور علوم بھی اسلامی ہی تھے۔ظاہر ہے کہ کئی صدیوں پر مشتمل ان مدارس کا نصاب، تعلیم، طریقہ کار اور مقاصد ایک ہی تھے اور اس کے بنیادی ڈھانچہ میں فی الواقع کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔اس لئے اب تک ان مدارس سے منسلک اور وہاں سے فیض یافتہ تمام حضرات کے سوچنے کا ڈھنگ، خیالات وافکار اور نظریات میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔اس کے برعکس دلی کالج ایک مدرسہ بھی تھا اور کالج بھی پڑھانے والے انگریز بھی تھے اور ہندستانی بھی۔طلباء میں مختلف ذات، برادریوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی نمائندگی کررہے تھے۔چنانچہ مذہبی روایات کے گوناگوں پہلوؤں ،نظریات اورافکار میں اختلاف دلی کالج کی اہم خصوصیات رہی ہیں۔

قدیم دہلی کالج کا سہ رخی مذہبی زاویہ

قدیم دہلی کالج مذہبی افکار وخیالات کے تحت تین زاویہ پیش کرتا ہے۔اول تو وہ

Marfat.com

طبقہ ہے جس نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت کو قبول کرلیا۔ ایسے لوگوں میں ماسٹر رام چندر، ماسٹر جانکی پرشاد اور ڈاکٹر چمن لال کے نام قابل ذکر ہیں۔ دوسرا وہ زاویہ ہے جو کالج کے تربیت اور ماحول کے زیر اثر وسیع النظری اور روشن خیالی کو نمایاں کرتا ہے۔ اس طبقہ میں مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ تیسرا وہ پہلو ہے جو مذہبی معاملات میں سخت موقف رکھتا ہے اور اپنی انگریز دشمنی کے لئے مشہور ہے ایسے لوگوں میں مملوک علی نانوتوی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام قابل ذکر ہیں۔

پہلا زاویہ

قدیم دہلی کالج سے تعلق رکھنے والے مقتدر شخصیات کا عیسائی مذہب قبول کرنا اس وقت کے اہم واقعات میں سے ایک ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی مبلغین کی سرگرمیاں بھی پورے زوروں پر تھیں۔ جو انگریزی حکومت کی پشت پناہی میں اپنا کام کررہی تھیں۔ انگریزوں کے اندر نسلی تفوق کے ساتھ ساتھ مذہبی برتری کا بھی احساس تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام ملک کو عیسائیت میں داخل کرلیا جائے۔ اس کے لئے سیاسی مصلحت بھی کارفرما تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کو عیسائی مذہب میں داخل کر کے اپنی حکومت کو ہمیشہ کے لئے مستحکم بنایا جاسکتا ہے۔ اسی سلسلے میں ۱۹ ویں صدی کے آغاز سے ہی تربیت یافتہ عیسائی مبلغین کا ہندوستان میں ایک سیلاب سا اُمڈ آیا جو عربی فارسی اور اردو زبانوں سے بخوبی واقف تھا۔ ان کا انداز بڑا ہی جارحانہ ہوتا تھا۔ جو برسرِ عام ہندوستانی مذہبی روایات کے خلاف دیگر مذاہب کا مذاق اڑاتے تھے۔ طعن و تشنیع کرتے اور مناظرہ کی دعوت دیتے اسیر ادروی لکھتے ہیں:

''عیسائیت کی تبلیغ کی تربیت دینے
کے لئے لندن میں ایک تربیتی ادارہ قائم

Marfat.com

کیا گیا جس میں پادریوں کو عربی، اردو اور فارسی کی تعلیم دی جاتی اور مسلمانوں سے مناظرہ کی تربیت دی جاتی۔ چند سالوں میں اس اسکول سے بے شمار پادری مناظرانہ اسلحوں سے لیس ہو کر نکلے اور پھر ان کو براہ راست ہندوستان بھیجا گیا اور باقاعدہ ملتان سے لے کر مشرقی بنگال تک ان کی تقرری کر دی گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مناظرین اور پادری ہندوستان کے ہر خطے میں پہنچ گئے ان کو فنڈ مہیا کیا گیا۔ پریس قائم ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں عیسائی لٹریچر چھاپ کر پورے ہندوستان میں مفت تقسیم کیا جانے لگا۔ حکومت کے ہر افسر کو حکم تھا کہ یہ پادری جہاں جائیں ان کو ہر طرح کی سہولتیں پہنچائیں اور حفاظت کے لئے ان کو پولس دی جائے“ [۱]

ان تمام سازگار ماحول کے باوجود کامیابی کی رفتار بڑی سست رہی اس لئے پریشان ہو کر دارالحکومت کلکتہ کے پادری ایڈمنڈ نے ایک گشتی مراسلہ مرتب کیا اور طبع کرا کے ہندوستان بھر میں ان تمام ہندوستانیوں کے نام بھیجا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ملازم تھے اور انگریزی حکومت کے دفتروں میں کام کرتے تھے۔ سرسید احمد خاں نے اپنے رسالہ اسباب بغاوت ہند میں اس کے چند جملے نقل کئے ہیں۔ جس

Marfat.com

سے صورتحال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سرسید لکھتے ہیں:

"۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈ منڈ دارالحکومت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری ملازمتوں اور معزز نوکروں کے پاس چھٹیاں بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندستان میں ایک عملداری ہوگئی تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی۔ ریلوے، سڑک سے سب جگہ آمد ورفت ایک ہوگئی۔ مذہب بھی ایک چاہئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ" ۵

غرضیکہ انگریزوں کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کو عیسائی بنالیا جائے تا کہ جو مذہبی عصبیت انھیں انگریزوں سے نفرت اور ان کی مخالفت پر ابھارتی ہے اس کا رخ تبدیل ہو جائے اور یہ طاقت برطانوی حکومت کے استحکام کے کام میں لائی جا سکے اور عیسائیت کے فروغ کے ساتھ ہندوستان پر اطمینان سے حکومت کے مواقع حاصل ہوسکیں۔ اس وقت عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے جو طریقے اختیار کئے تھے ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مشن اسکول جن میں ذریعہ تعلیم انگریزی تھا ان اسکولوں میں انجیل کی تعلیم لازمی تھی۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم کسی مذہب کی تبلیغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ طالب علم جو اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری کے باعث سادہ لوح اور مذہبی معلومات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن وفکر کو ان کی آبائی روایات واقدار سے ہٹا کر بڑی سہولت کے ساتھ تعلیم کے ذریعہ متاثر کیا جا سکتا ہے اور اپنے افکار

Marfat.com

ونظریات کی خوبیاں ان کے دل ودماغ میں راسخ کی جا سکتی ہیں۔

۲- مشن اسپتالوں کو بھی عیسائیت کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا جاتا تھا اور اسپتالوں میں مریضوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

۳- عیسائی مشن کا تیسرا طریقہ عام مجمع میں وعظ وتقریر اور مناظروں کا تھا۔ عیسائیوں نے اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی مناظروں کا بازار گرم کر دیا اور عجیب بات ہے کہ ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے ختم ہوتے ہی مناظروں کا زور بھی ختم ہو چکا ہے۔

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عیسائی مشنری محض عیسائیت کی تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ اتنا ہی کرتے کہ اپنے مذہب کی اچھائیاں اور خوبیاں عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے تو ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کی جانب سے کوئی سخت مزاحمت عمل میں نہ آتی مگر اس کے برعکس عیسائی مشنری اسلام اور پیغمبر اسلام پر رکیک حملے اور اعتراض کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورتحال میں علماء کی جانب سے شدید مزاحمت کی گئی۔ چھوٹے بڑے بے شمار مناظرے کئے گئے ان میں ۱۸۵۴ء کا آگرہ کا مناظرہ اور مباحثہ شاہجہاں پور مشہور ہے۔ آگرہ میں پادری فنڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی و ڈاکٹر وزیر خاں کے درمیان مناظرہ ہوا جبکہ شاہجہاں پور کے مباحثے میں پادری نولس، پادری اسکاٹ اور پنڈت دیانند سرسوتی و مولانا قاسم نانوتویؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔

۴- عیسائی مشن کی تبلیغ کا چوتھا طریقہ تصنیف وتالیف تھا اس میں بھی جارحانہ طریقہ اپنایا گیا جس میں عیسائیت کے محاسن بیان کرنے سے زیادہ اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر حملے کئے جائیں۔ پادری فنڈر نے ''میزان الحق'' لکھا جس کا جواب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ''اظہار الحق'' لکھ کر دیا۔ اس کتاب کا اس وقت ہی یورپ کی چھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا تھا۔[6]

Marfat.com

بہر حال قدیم دہلی کالج کی اہم شخصیت جنھوں نے عیسائیت کو قبول کیا وہ ماسٹر رام چندر کی تھی۔ ماسٹر رام چندر کا قبول عیسائیت ان کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے چونکہ ماسٹر رام چندر بچپن ہی سے نہایت سنجیدہ اور متین تھے۔ مغربی سائنس اور فلسفہ کے مطالعہ نے ان کے اندر تجسس پیدا کر کے بت پرستی سے متنفر کر دیا تھا اور دل سے وحدانیت پر ایمان لے آئے تھے اس کے باوجود کسی مذہب میں داخل ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ایک واقعہ نے ان کو عیسائی مذہب کی طرف راغب کر دیا۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی رقم طراز ہیں:

> ''رام چندر کی زندگی کا اہم ترین واقعہ خود ان کے قول کے مطابق قبول عیسائیت تھا ...... (ایک دفعہ) پرنسپل مسٹر ٹیلر کے کہنے پر کوٹہ سے آئے ہوئے ایک طالب علم کے ساتھ انھیں پہلی بار گرجا گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں انھوں نے چند پڑھے لکھے اور روشن خیال انگریزوں کو جن کی وہ بہت عزت کرتے تھے مسیح کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ سر جھکائے دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا۔ اس منظر سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ واپس آتے ہی انجیل کا مطالعہ شروع کر دیا''[۷]

انجیل کے مطالعہ نے انھیں اپنے اس خیال پر نظر ثانی کے لئے مجبور کیا کہ صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے حضرت مسیح کے حفظ وامان میں رہنا بھی ضروری ہے۔ کالج کے ذریعہ انگریز اساتذہ اور حکام

Marfat.com

سے تعلق ہونے کی وجہ سے عیسائی مشنریوں سے بھی رام چندر کا تعلق بڑھتا رہا۔ دوسری جانب وہ قرآن اور گیتا کا مطالعہ بھی کرتے رہے اور علماء و پنڈتوں سے مباحثے و مناظرے بھی کرتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد بالآخر اصطباغ حاصل کر کے مکمل طور پر عیسائیت میں داخل ہو گئے۔ پروفیسر قدوائی لکھتے ہیں:

”جولائی ۲ ۱۸۵۲ء کو اپنے ایک ساتھی
ڈاکٹر چمن لال (سب اسسٹنٹ سرجن
دہلی) کے ہمراہ سینٹ جیمز چرچ (St.
James Church) پہنچے اور ہندوؤں
اور مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع کے
سامنے اصطباغ حاصل کیا“۔ ۸

رام چندر اپنے تبحر علمی اور شرافت کی بناء پر دہلی کے با اثر اور باعزت لوگوں میں سے تھے ظاہر ہے ایسے شخص کے عیسائی ہو جانے سے دہلی میں ہلچل مچ گئی۔ چنانچہ ان کے خاندان، اعزا و اقرباء سے لے کر دہلی کے ہندوؤں اور مسلمانوں تک میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لیکن رام چندر کے پائے استقلال میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ تمام مخالفتوں اور سماجی دباؤ کے باوجود اپنے ارادے اور عقیدے میں پختگی کے ساتھ جمے رہے۔ یہی نہیں بلکہ عیسائیت کی تبلیغ میں جوش و خروش سے حصہ لینے لگے۔ وہ زیادہ نشانہ اسلام ہی کو بناتے رہے چنانچہ اعجاز قرآن، رسالہ تحریف قرآن اور اعتراض قرآن ان کی اہم تصانیف ہیں جس میں انھوں نے اسلامی عقائد کو چیلنج کیا ہے۔

ماسٹر رام چندر کے ساتھ ڈاکٹر چمن لال بھی عیسائی ہو گئے جیسا کہ اوپر کے اقتباس میں گذر چکا ہے۔ دہلی کالج کی ایک شخصیت ماسٹر جانکی پرشاد کی تھی یہ بھی عیسائی ہو گئے تھے۔ مولوی عبدالحق نے صرف اتنا تذکرہ کیا ہے کہ یہ ذات کے برہمن

Marfat.com

تھے اور عیسائی ہونے کے بعد ان کے نام کے ساتھ ریورنڈ لکھا جاتا تھا۹۔

طبقات شعرائے ہند والے مولوی کریم الدین کے بھائی مولوی عماد الدین بھی عیسائی ہوگئے تھے یہی نہیں بلکہ وہ اتنے سرگرم مبلغ تھے کہ امرتسر سے ایک مسیحی تبلیغی آرگن ''حقائق عرفان'' نام سے نکالتے تھے ان کے عیسائی ہونے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے امداد صابری لکھتے ہیں:

''پادری عماد الدین پانی پت کے تھے ان کے والد چراغ الدین اور بھائی منشی خیر الدین بھی عیسائی ہوگئے تھے لیکن بعد میں مسلمان ہوگئے۔ عماد الدین پندرہ برس کی عمر میں اکبر آباد (آگرہ) تعلیم کی غرض سے گئے۔ وہاں مسٹر میلن ناش ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول لاہور سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد انجیل اور مسیحی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا بالآخر ۲۹ اپریل ۱۸۶۶ء کو پادری رابرٹ کلارک کے ہاتھوں عیسائیت کو قبول کرلیا اہلیہ پر زور ڈالا وہ بھی اپنے پانچ بیٹیوں اور چار بیٹوں سمیت عیسائی ہوگئیں غرض ''۱۰

پادری عماد الدین پر عیسائیت کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ تاعمر سرگرم عیسائی مبلغ بن کر رہ گئے۔ ملازمت کو خیر آباد کہہ کر صبح سے شام تک گھر گھر جا کر تبلیغ کرتے تھے ساتھ ہی کم از کم ۵۳ رسالے اور کتابیں بھی لکھیں۔ خصوصاً ''تلخیص الاحادیث'' ''ہدایت المسلمین'' اور ''تحقیق الایمان'' اہم ہیں۔

Marfat.com

دوسرا زاویہ

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ مذہبی روایات کے اعتبار سے دوسرا زاویہ جو قدیم دہلی کالج پیش کرتا ہے وہ وسیع النظری اور روشن خیالی ہے۔ ایسے لوگوں میں منشی ذکاء اللہ کا نام سرفہرست ہے۔ منشی ذکاء اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے جنھوں نے مختلف علوم وفنون پر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف کیں خصوصاً ریاضی اور تاریخ سے انھیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ماسٹر رام چندر کی شاگردی نے انھیں روادار اور وسیع النظر بنا دیا تھا۔ ان کے مذہبی اعتقادات کے بارے میں ڈپٹی نذیر احمد کا کہنا ہے:

> "ماسٹر صاحب (رام چندر) نے بڑے بڑے مباحثوں کے بعد عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ماسٹر صاحب کی ہمہ وقت کی ہم نشینی کے شبہ سے لوگ مولوی ذکاء اللہ کو مذہب کی طرف سے متہم بھی کرتے تھے۔ لیکن میں مولوی ذکاء اللہ کا سب سے پرانا ملاقاتی ہوں .... میرے علم میں مولوی ذکاء اللہ پکے موحد تھے ایک صرف ایک خدا کے مجمع صفاتہ الکمالیہ کے قائل اور ایسا بالغ النظر آدمی جیسے مولوی ذکاء اللہ تھے۔ سائنس کے معموں کو حل کرنے والے ہرگز منکر خدائے واحد نہیں ہوسکتا ..... ہم مسلمان ہیں تو مذہباً وہ بھی یقیناً مسلمان تھے۔ مگر ان کا دامن عقیدت

Marfat.com

لوث تعصب سے بالکل پاک تھا وہ باہمی میل جول میں مذہب کو دخل ہی نہیں دیتے تھے۔سب سے خلوص کے ساتھ ملتے اور حاضر وغائب سب کے ساتھ ایک طرح کا سلوک کرتے ان کے اس خلوص ہی کا نتیجہ تھا کہ مرتو رہے تھے مولوی ذکاء اللہ اور سکرات کی سی بیقراری پادری صاحب (سی.ایف.اینڈریوز) کو تھی بہ ظاہر دونوں میں کسی ایک کو کوئی دنیاوی غرض دوسرے سے متعلق نہ تھی۔مگر دونوں نے مذہب کی اصلیت کو سمجھا تھا اوران کی باہمی محبت الحب اللہ کی قسم سے تھی"[۱۱]

اس سلسلے کی دوسری اہم شخصیت مولوی نذیر احمد کی ہے۔جو کہ بڑی حد تک ترقی پسند تھے۔لیکن کہیں کہیں ان پر اپنی خاندانی مذہبی شدت پسندی غالب نظر آتی ہے جس سے ان کے نظریات کی لچک ختم ہو جاتی ہے۔جیسا کہ ان کے ناول توبتہ النصوح کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔نذیر احمد قدیم طرز کے عربی مدارس کی تعلیم کو ناقص اور ناکافی سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ذریعہ تنگ نظری اور عصبیت دلوں میں جڑ پکڑتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اگر میں کالج میں نہ پڑھا ہوتا تو بتاؤں کیا ہوتا؟ مولوی ہوتا تنگ خیال،متعصب،اکل کھرا،اپنے نفس کے احتساب سے فارغ،دوسروں کے عیبوں

Marfat.com

کا متجس، بر خود غلط، مسلمانوں کا نادان
دوست تقضائے وقت کی طرف سے
اندھا''۱۲؎

تیسرا زاویہ

تیسرا زاویہ جو مذہبی امور میں راسخ اور اپنی انگریز دشمنی میں مشہور ہے۔ اس جماعت کے سرخیل مشرقی شعبہ کے صدر مدرس مولوی مملوک علی نانوتوی ہیں۔ مولوی مملوک نانوتوی زبردست عالم، فاضل، قابل احترام اور پابند شرع شخصیت تھی۔ جن کی تعریف ان کے معاصرین میں مولوی کریم الدین، مرزا فرحت اللہ بیگ اور سر سید سے لے کر مولوی عبدالحق تک سبھی نے کی ہے۔ ایک طرح سے یہ احیائے دین (Revivilism) اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے پرزور داعی تھے۔ چنانچہ صدیوں کے مسلم اقتدار کو ختم کرنے والے انگریزوں سے نفرت فطری بات تھی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے دہلی کی آخری شمع میں مولوی مملوک علی نانوتوی سے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اس واقعہ کی جانب ابن الوقت میں اشارہ کیا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب مدرسہ دہلی میں
مدرس اول ہیں، عجیب باکمال آدمی
ہیں۔ مدرسے میں ان کی ذات بابرکات
سے وہ فیض ہوا کہ شاید ہی کسی زمانے میں
کسی استاد سے ہوا ہو۔ بہت پابند شرع
ہیں..... تھوڑے ہی دن ہوئے بیچارے
پابندی شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں

Marfat.com

آ گئے تھے ہوا یہ کہ ریذیڈنٹ بہادر مدرسے کے معائنے کو آئے۔ ان کے علم اور مرتبے کے خیال سے ہاتھ ملایا۔ جب تک صاحب بہادر وہاں رہے۔ انھوں نے ہاتھ جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو الگ رکھتا ہے صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا''۱۴۳

ممکن ہو اس واقعہ کی سند پر اشتباہ ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ واقعہ انگریز دشمنی کی غمازی کر رہا ہے اور دہلی کالج میں مشرقی روایات کا پابند اور انگریزوں سے نفرت کا زاویہ پیش کر رہا ہے۔

مولوی مملوک علی نانوتوی کے ایک اہم شاگرد بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں جو زندگی بھر استاد کے اصولوں پر کاربند رہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہی دہلی کالج جہاں عیسائی مشنریوں کے عمل دخل یا انگریز اساتذہ کی صحبت یا پھر اپنی دانشورانہ صلاحیت اور مغربی فلسفہ کے زیر اثر کچھ لوگ عیسائیت کو قبول کر رہے تھے تو دوسری جانب دہلی کالج ہی کے پڑھے ہوئے حضرات اس مہم کے خلاف مورچہ سنبھالے ہوئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں مولانا قاسم نانوتوی پیش پیش تھے جو اکثر مناظروں اور مباحثوں میں شریک ہو کر اسلام کی دفاع کی کوشش کرتے رہے سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

''پادری بازاروں، میلوں اور عام مجموں میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے لگے۔ حضرت

Marfat.com

نانوتوی نے دلی کے قیام کے زمانے میں
جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے
شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح
کھڑے ہوکر بازاروں میں وعظ کہا
کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ایک روز
خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں
پہنچے اور پادری تارا چند سے مناظرہ کیا
اور اس کو سر بازار شکست دی''۔[۱۴]

اس کو پڑھتے وقت ذہن میں یہ بات واضح رہے کہ یہ واقعہ ایسے وقت کا ہے جب انگریزی حکومت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور انگریزوں کا رعب ودبدبہ ہندوستانیوں کے دلوں میں سرایت کر چکا تھا۔لیکن کچھ جیالے اس وقت ایسے بھی تھے جو بغیر کسی مفاد یا غرض کے وطن پر جان قربان کر رہے تھے اور کتنی عجیب بات ہے کہ آزادی کا بگل بجانے والی انڈین نیشنل کانگریس جیسی تنظیموں کے قائم ہونے،عمومی طور پر وطن پرستی کا جذبہ بیدار ہونے اور نیشنلزم جیسی تحریک کے جڑ پکڑنے میں مزید نصف صدی کا عرصہ لگا۔اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ پچاس برس آگے کی سوچ رہے تھے۔چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (بدقسمتی سے اسے ''غدر'' کے نام سے مشہور کر دیا گیا یعنی چند فوجیوں نے حکوت سے غداری کی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ شمالی ہندوستان کے اہم مقامات پر بیک وقت لڑی جانے والی جنگ تھی) میں مولانا نانوتوی اور ان ورفقاء نے ضلع مظفر نگر کی تحصیل شاملی کو محاذ بنایا اور اسے فتح کر لیا۔ لیکن جب انگریزوں نے جلد ہی دہلی اور دوسرے مقامات پر اپنے جدید ہتھیاروں اور تکنیکی وسائل کی بنا پر دوبارہ قبضہ کر لیا تو ان پر کیا گذری اسیر ادروی لکھتے ہیں:

''انگریزی حکومت کے مخبروں نے

Marfat.com

شاملی پر حملہ کرنے والوں کی جو مخبری کی تھی
اس فہرست میں ان تمام حضرات کے نام
تھے جنھوں نے اس جنگ کی منصوبہ بندی
کی تھی اور اس میں حصہ لیا تھا۔ اس لئے
حاجی امداداللہ تھانوی، مولانا قاسم
نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا
منیر نانوتوی ہر ایک کی گرفتاری کے لئے
وارنٹ جاری ہوئے"۔ ۱۵

دہلی کالج کا یہ زاویہ وطن پرستی اور انگریز دشمنی کا تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس کو تنگ نظری اور کٹر پسندی پر محمول کریں۔ لیکن ۱۹۱۷ء میں گاندھی جی کے ذریعہ عملی طور پر سیاست میں آنے اور جدوجہد آزادی کی لڑائی لڑنے کو صحیح اور حق بجانب سمجھتے ہیں اور یقیناً ایسا ہی ہے تو ان سرفروشوں کی جماعت کو بھی اسی زمرہ میں شامل کیا جانا چاہئے۔ یہ بھی دہلی کالج کی ہی عطا ہے جس نے ایسے راسخ العقیدہ علماء کو تیار کیا کہ انھوں نے صرف مذہبی تعلیم کی جانب اپنے رخ کو موڑ دیا۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ مذہبی تعلیم کی آڑ میں وطن پرستی کا بھی درس دیا جاتا تھا چنانچہ باربرا ڈیلی مٹکاف کا کہنا ہے کہ:

" It was this school that provided a model for "Ulama" who later turned thier efforts to strenghening the organisation of religious education". 16

بہر حال قدیم دہلی کالج ایک ایسا عجیب وغریب ادارہ تھا جہاں علمی، ادبی اور سائنسی خدمات سے قطع نظر مذہبی روایات کے پیش نظر رنگا رنگی دکھائی دیتی

Marfat.com

ہے۔ جہاں ہندوستان کی قدیم روایات کا دریا بھی بہتا تھا تو جدید مغربی طرز کا چشمہ بھی لوگوں کو سیراب کرر ہا تھا۔ عیسائیت کو لوگ قبول بھی کرر ہے تھے تو دوسری جانب وہیں عیسائیوں سے نفرت بھی کرنے والے تھے۔ سائنسی طرز فکر، منطقی استدلال اور حقیقت پسندی کا رجحان تھا تو قدامت پسندی، تو ہم پرستی اور مشرقی انداز فکر کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ غرض آنے والی نسلوں کے لئے اس نے مختلف جہات نظریات اور روایات کا تعین کیا اور اس سر چشمہ علم نے تمام طرح کے لوگوں کو سیراب کیا۔ لیکن افسوس کہ ایسا عظیم ورثہ بہت جلد ہم سے چھن گیا۔ جس کی تلافی کی صورت میں بہت سارے ادارے وجود میں آئے اور اس کی روایات کو آگے بڑھایا اس کے باوجود وہ بات کہاں جو قدیم دہلی کالج میں تھی۔

Marfat.com

حواشی

۱. سید محمد میاں، علماء حق

(دہلی: الجمعیۃ بک ڈپو، ۱۹۳۷) ص ۱۲-۱۳

۲. ڈاکٹر آشر وادی لال شری واستو، مدھیہ کالین بھارتیہ سنسکرتی

(آگرہ: شیولال اگروال اینڈ کمپنی، ۱۹۸۶) ص ۸۹

۳. دیکھئے ابن بطوطہ، سفر نامہ، کراچی: نفیس اکیڈمی، ص ۲۰۷

۴. اسیر ادروی، مولانا قاسم نانوتوی: حیات اور کارنامے

(دیوبند: شیخ الھند اکیڈمی دار العلوم، ۱۹۹۷) ص ۱۴۶

۵. مولوی الطاف حسین حالی، حیات جاوید

(آگرہ: مفید عام پریس، ۱۹۰۳ء) ص ۸۱۹

۶. امداد صابری، آثار رحمت

(دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۶ء) ص ۲۷۷

۷. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر

(دہلی: دہلی یونیورسٹی شعبۂ اردو، ۱۹۶۱ء) ص ۳۹ تا ۴۱

۸. ایضاً " " ص ۴۴

۹. مولوی عبد الحق، مرحوم دہلی کالج

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۵ء)، ص ۱۷۰

۱۰. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو جلد دوم

(دہلی: جامع مسجد کبابیان، جدید پرنٹنگ پریس،) ص ۳۵۴

۱۱. دہلی کالج اردو میگزین، قدیم دلی کالج نمبر

Marfat.com

(دہلی: مرتب خواجہ احمد فاروقی، ۱۹۵۳ء) ص ۱۴۷-۱۴۸

۱۲. ڈاکٹر بدر النساء شہاب، ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں سماجی اقدار

(پٹنہ: سلطان گنج، دار الادب، ۱۹۸۵ء) ص ۸۵

۱۳. مرزا فرحت اللہ بیگ، دہلی کی آخری شمع

(دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۸) ص ۷۶

۱۴. سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیوبند

(دیوبند: ادارہ اہتمام دار العلوم، ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۷

۱۵. اسیر ادروی، مولانا قاسم نانوتوی: حیات اور کارنامے

(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی، ۱۹۷۷) ص ۸۸

۱۶. Metcalf, Barbra Daly

Islamic Revival in British India, Deoband 1860-1900
(Princeton: Princeton University Press,1982, U.S.A,)P.52

Marfat.com

اختتامیہ

Marfat.com

Marfat.com

قدیم دہلی کالج کے اثرات اور نتائج

دہلی کالج ۱۹ ویں صدی کے اس حصہ میں وجود میں آیا جب مغربی اثرات شمالی ہندوستان کو پوری طرح متاثر کر چکے تھے۔ بنگال سے جو لہر چلی تھی وہ دہلی تک طرز زندگی، انداز فکر اور طریقۂ تعلیم پر اثر انداز ہو چکی تھی۔ اس کا ردعمل بھی شروع ہو چکا تھا اس طرح قدیم و جدید کی ایک کش مکش تھی جس میں ہندوستان کا معاشرہ مبتلا تھا۔ اس عبوری دور میں اردو زبان کو بڑا ساز گار ماحول ملا۔ فورٹ ولیم کالج سے آسان اردو نثر کی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا مگر اس کا دائرہ اثر محدود تھا۔ قدیم دہلی کالج نے اردو نثر میں علمی مضامین کے بیان کی صلاحیت پیدا کر دی۔ اس کے زیر اثر اردو میں نہ صرف حساب، علم ہندسہ، جبر مقابلہ، جغرافیہ، تاریخ، معاشیات، قانون اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی بلکہ علم مثلث، علم احصاء، علم ہیئت، نیچرل فلاسفی، حیاتیات، مرکبات، سکونیات، علم المناظر، مکانکس وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

قدیم دلی کالج میں ہندوستانی طلباء کو مشرقی علوم کے علاوہ سائنسی اور جدید مغربی علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ تہذیب و معاشرت اور ادب کے بارے میں نئے نقطۂ نظر سے ان کو آگاہ کیا جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ انگریزی زبان و ادب بھی پہلی مرتبہ ہندوستانیوں کو سکھانے کی کوشش عمل میں آئی یعنی اب نئے علوم اور طرز فکر سے براہ راست واقفیت کی بھی صورت پیدا ہو رہی تھی۔ اس کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ نئے

Marfat.com

نئے مضامین کی تعلیم، طریقۂ تعلیم اور تراجم کے ذریعہ ہماری زبان کے الفاظ اور سیاق وسباق میں نمایاں تبدیلی ہونے لگی بات کہنے کے انوکھے انداز بنے۔ محاورے اور روزمرہ پر زور دینے کے بجائے ایک نئی طرح کی علمی وادبی زبان کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ مشاعرہ کی روایت کو بھی باقی رکھا گیا۔ تذکرے بھی ترتیب دئے گئے۔ کچھ لغات بھی مرتب ہوئے۔ لیکن اب ان کا انداز بدلا ہوا تھا اور اس میں جدید جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی مثلاً مولوی کریم الدین نے مسٹر فیلن ناش کے تعاون سے تذکرۂ دتاسی کو بنیاد بنا کر طبقات شعرائے ہند کو ۱۸۴۸ء میں لکھا جس کی ترتیب اردو طبقات کے اعتبار سے کی گئی ہے اور اس میں سن وتاریخ کا بھی خاص التزام رکھا گیا ہے۔ اردو شعراء کے حالات بھی مفصل بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں شعراء کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اردو شاعری کا ارتقاء بھی پیش کردیا جائے اس میں زبان اردو کی لسانیاتی تحقیق اور مختلف ادوار میں مختلف اصناف سخن کی ترقی کے اسباب اور فن تذکرہ نویسی کی تنقید پر بھی اشارے موجود ہیں۔

مولوی کریم الدین کے ہم عصر امام بخش صہبائی کا تذکرہ جس کا نام "خلاصہ (انتخاب) دواوین شعراء مشہور زبان اردو کا" ہے اس انتخاب میں شاعر کے کلام کے ساتھ حالات زندگی بھی درج کئے ہیں اور مقدمہ میں اردو شاعری پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ اس میں بھی جدید رنگ کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ سائنسی مضامین کے علاوہ یہ وہ تبدیلیاں ہیں جن سے ہمارے ادب میں کثیر اضافہ ہوا اور تراجم کے ذریعہ ہزارہا الفاظ واصطلاحات نے اردو زبان کو وسعت دی۔ تذکرہ نویسی کا یہ جدید رجحان دہلی کالج کی دین ہے۔ ورنہ اس سے قبل تذکروں کا ایک بڑا نقص یہ تھا کہ اس میں سن و واقعات کے تعین کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا اور حالات زندگی کی تحقیق بھی مکمل نہ ہوتی تھی اور کبھی کبھی مصنف کا پاس مروت بہت سے گوشوں کو نظر انداز کر جاتا تھا۔ لیکن جو تذکرے نئے رجحان و حالات کے تحت لکھے گئے ہیں ان میں تبصرہ، حالات زندگی اور

Marfat.com

صحیح واقعات پیش کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ دہلی کالج میں قصے کہانیاں ،شاعری اورانشا پردازی کی داخلی فضا میں بہت بڑی تبدیلی آئی۔ یہ تبدیلیاں کیا نوعیت رکھتی ہیں۔لفظ کے اعتبار سے یا پھرادبی اظہاراور شاعرانہ طرز بیان کے اعتبار سے اس کا جائزہ ان کتابوں اوراخبارات کی مدد سے کیا جاسکتا ہے جوقدیم دہلی کالج سے شائع ہوئیں یا دہلی ورنا کلرٹرانسلیشن سوسائٹی نے جن کو ترتیب دیا۔ یہ ادبی اورلسانی تبدیلی جونئی امنگوں اورنئی دریافتوں کاخزانہ اورانسان کی بے پناہ قوت کاشعوراپنے ساتھ لائی تھی اور جودہلی کالج کی نئی نسل میں شدت سے کارفرماتھی اسے بھی علم وادب کے ارتقاء میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔اس سلسلے میں سی.ایف. اینڈریوز نے اپنی کتاب ذکاءاللہ آف دہلی میں کالج کے طلباء پرنئی تعلیم کے اثرات کا جونقشہ کھینچا ہے وہ قابل غور ہے:

''قدیم دہلی کالج میں تعلیم کا نہایت ہر دل عزیز پہلو وہ تھا جس کا تعلق سائنس سے تھا۔ یہاں جودلچسپی دکھائی گئی وہ سب پرغالب رہی اور بہت جلد شہر کے طلباء کے گھروں کے اندر جا پہنچی ۔جہاں نئے تجربات حتی الامکان والدین کی موجودگی میں دہرائے جاتے تھے۔منشی ذکاء اللہ اپنے بڑھاپے میں مجھے بتایا کرتے تھےاور اس وقت ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوجاتی تھی کہ ان سائنفک لیکچروں کوکس ذوق شوق سے سنا جاتا تھا اور کس طرح سے مختلف لوگ انھیں نقل کرلیا کرتے تھے

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طلباء انسانی دماغ کے
تمام تر غیر دریافت شدہ کرّوں میں داخل
ہو رہے ہیں .... انھیں مقناطیس کے
اسرار میں گم ہو جانے کی دعوت دی جاتی
تھی اور جو نئی دریافت شدہ سائنس کی
حیثیت سے نمایاں ہو رہا تھا ابھی تو ابتداء
تھی اور بہت کچھ آگے آنے والا تھا.......
یہ امر زیادہ حیرت ناک نہیں کہیں کہیں ان
طلباء نے جنھوں نے ان چیزوں کو پہلے
پہل مطالعہ کیا تھا بندشوں اور قید ورسوم کو
توڑ ڈالا ہو اور ایسی زندگی کا مطالبہ کیا ہو جو
عبادت اور پوجا پاٹ کے رسمی افعال کی
مقابلتاً کم پابند ہو بہ نسبت اس کے جس کا
مطالبہ مروجہ مذہب کی طرف سے کیا جاتا
ہے یہ عمل بھی زیادہ قابل تعجب نہیں کہ جو
لوگ فطرتاً پرانے خیال کے تھے انھوں
نے سرے سے نئے علوم ہی کو شک وشبہ کی
نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہو"۔[1]

سائنس سے یہ دلچسپی خود ادب کے لئے مفید ثابت ہوئی اور اس کی بدولت ادب میں حقیقت پسندی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سائنسی مضامین کو اردو میں منتقل کیا گیا اور بڑی تعداد مین علمی مضامین لکھے جانے لگے۔ جس سے اردو زبان وادب دونوں میں صحت مند تغیرات نمودار ہوئے۔ موضوع کے اعتبار سے اور ادائے مفہوم کے اعتبار

Marfat.com

سے یہ تغیرات زبان وادب میں خاص اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کے سہارے نوع بہ نوع موضوعات اردو میں رائج ہوئے اور الفاظ ومحاورات اور اصطلاحات کا حلقہ وسیع ہوا اور دہلی کالج کے تربیت یافتہ حضرات کے توسط سے دہلی کالج کا یہ عظیم الشان ورثہ علی گڑھ تحریک میں منتقل ہوا اور ہندوستان کے بیشتر مقامات پر اس جیسی بہت سی تحریکوں نے جنم لیا اور قدیم دہلی کالج کے انداز پر ان کا لائحہ عمل تیار کیا۔

قدیم دہلی کالج کے اخبارات نے جدید تعلیم وتربیت کی تشہیر میں بڑا کام کیا۔ دور دراز کے مقامات پر اخبارات کی بدولت ہی عوام وخواص نئے نئے سائنسی موضوعات وتجربات کو حیرت سے پڑھتے اور اس کے دیکھنے کا اشتیاق ان کے دل میں پیدا ہوتا اور ان کو زندگی کی نئی آہٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔ ان ہی چند باہمت حضرات نے جدید علم وادب سے اپنے بچوں کو روشناس کرانے کے لئے نئے طرز کے اداروں کی بنیاد رکھی اس کے علاوہ خود حکومت بھی اس طرح کے ادارے ملک کے مختلف گوشوں میں کھول رہی تھی۔ ان جدید علوم کے اداروں کے لئے وہ قدیم دہلی کالج سے رجوع کرتے تھے جو ہندوستان میں جدید تعلیم وتربیت کا اولین ادارہ تھا۔

قدیم دہلی کالج کے طلبہ کا مختلف ملازمتوں میں تقرر

قدیم دہلی کالج کے فارغ التحصیل طلباء میدان عمل میں حرفِ اول کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کالج کے طلباء کا ملک کے مختلف حصوں میں تقرر ہوتا رہا اور جب یہ کالج سیاسی مصلحت کی بھینٹ چڑھ گیا تو اس کے اساتذہ نے ملک کے دوسرے اداروں سے وابستہ ہو کر اس جدید مغربی طرز تعلیم کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بقول قاسم علی سجن لال:

"مدرسہ دہلی نے اپنی نیک نامی اور
ترقی میں کافی شہرت حاصل کر لی تھی اس

Marfat.com

کی شہرت پریسڈنسی آگرہ بلکہ احاطہ بنگال
اور پنجاب تک پہنچ چکی تھی۔اس مدرسہ
کے طلباء گویا تمام ہندوستان میں نیک نامی
حاصل کر چکے تھے۔آگرہ، بنارس، بریلی،
اجمیر،اندور وغیرہ میں بھی ان کا تقرر ہوا
کرتا تھا''[2]

قدیم دہلی کالج کے طلباء کی ایک طویل فہرست ہے جو تحصیل علم کے بعد تمام ملک میں پھیل گئے۔ جہاں بھی یہ طلباء جاتے عوام وخواص ان کا پرجوش خیر مقدم کرتے تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے اوران میں نیا جوش وخروش پیدا ہوجاتا وہ اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر چلتے جو محبت وشفقت انھیں اپنے اساتذہ کرام سے ملی تھی اسی محبت وشفقت سے وہ اپنے طلباء سے پیش آتے اس کالج کے سبھی طلباء اساتذہ بن کر نہیں گئے بلکہ دوسرے مختلف پیشوں میں بھی ان کو بھیجا گیا مثلاً لالہ مکندلال قدیم دہلی کالج کے ہونہار طلباء میں سے ایک تھے جنھیں فن طب سے خصوصی لگاؤ تھا۔اس کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کلکتہ یونیورسٹی گئے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد گورنر جنرل کے دربار میں آنریری سرجن مقرر ہوئے تو ان کے اعزاز میں جلسے ہوئے۔انعام واکرام سے انھیں نوازا گیا۔اخبارات میں ان پر مضامین شائع ہوئے اور جب وہ کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے تو اسسٹنٹ سرجن بابو نوین چند نے ان کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا اوران کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔اس جلسہ میں شہر کے معززین اور دور دراز سے آئے ہوئے حضرات خصوصاً آگرہ کالج کے سول سرجن نے انھیں مبارکباد پیش کی[3]۔

اسی طرح منشی امید سنگھ جو دہلی کالج کے طالب علم تھے مہاراجہ اندور کے اتالیق مقرر ہوئے۔دربار سے رشتہ قائم ہوگیا اور جب مہاراجہ نے تخت وتاج سنبھالا تو [4]

Marfat.com

مارچ ۱۸۵۲ء کے دربار عام میں مہاراجہ ہولکر نے منشی امید سنگھ کو خلعت ہفت پارچہ، جواہر دورقمی، پالکی جھالردار، آفتاب گیری چندر اسپ اور ہاتھی عطا کئے اور مشیر الدولہ رائے امید سنگھ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ چھ ہزار کی جاگیر نسلاً بعد نسلاً عطا کی اور چھ ہزار روپیہ تنخواہ سالانہ تاحیات سے سرفراز فرمایا[۴۳]۔

شعبۂ انگریزی کے ایک نہایت ہونہار اور ذہین طالب علم پنڈت بشیشر ناتھ تھے جو فارغ ہونے کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) سو روپے ماہوار تنخواہ پر مترجم کی حیثیت سے بلائے گئے اسی طرح پنڈت دوار کا ناتھ سو روپے ماہانہ پر شاہ آباد کے رئیس کے اتالیق مقرر ہوئے۔

شعبۂ مشرقی کے طلبا بھی ان سے کسی طرح کم نہ تھے وہ بھی اسی طرح ہندوستان کے مختلف مقامات پر بھیجے گئے ان میں ملے جلے حضرات کا ذکر ضروری ہے کچھ تو کالجوں اور اداروں میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے اور دیگر دفتری ملازمتوں میں مولوی سید الدین کا تقرر پہلے آگرہ میں بحیثیت معلم کے ہوا بعد ازاں ڈاکٹر اشپرنگر نے ان کا تقرر کلکتہ کالج میں کروایا۔ اسی طرح چھ طلباء پنجاب کے مدرسہ کے لئے بھیجے گئے ڈپٹی نذیر احمد کا بیان ہے:

> ''مسٹر رچرڈ ٹمبل جو آخر کار سر رچرڈ ٹمبل اور بمبئی کے گورنر مقرر ہو گئے تھے ان دنوں ضلع گجرات کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ہندوستان کے بعض اضلاع آگرہ، متھرا وغیرہ سر رشتۂ تعلیم جاری ہو چکا تھا مسٹر ٹمبل نے اس کی (قدیم دہلی کالج) مختصر نقل اپنے ضلع میں کرنی چاہی.........(اور) دہلی کالج سے جس کا

Marfat.com

ان دونوں تعلیم کی دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا چھ
مولوی طلب کئے‘‘ ۵

یہ چھ مولوی، مولوی برکت علی، مولوی شمس الدین، مولوی شیخ ضیاء الدین، مولوی فضل الرحمٰن، مولوی غلام قدسی اور منشی دھرنی دھر ہیں۶ مولوی محمد یعقوب بھی کالج کی طرف سے ہی اجمیر کالج میں مدرس عربی کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ پرنسپل اجمیر کالج نے ان کی لیاقت وقابلیت سے متاثر ہوکر ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر تقرر کرا دیا۔ اسی طرح مشرقی شعبہ کے ایک اور طالب علم مولانا احسن نانوتوی دہلی کالج سے فارغ ہوکر ۱۸۴۷ء میں بریلی کالج میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے بعد میں جب شعبۂ عربی بھی اس کالج میں کھل گیا تو وہ بھی انھیں کی صدارت میں دے دیا گیا۔ گویا دونوں شعبوں کے صدر کے فرائض انجام دیتے تھے۷۔

مولوی ذوالفقار علی پہلے بریلی کالج میں مدرس مقرر ہوئے بعدازاں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام میں آپ پیش پیش تھے جب مولانا قاسم نانوتوی نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم کیا تو قدیم دہلی کالج کے بہت سے حضرات ان کے دعوت نامہ پر دیوبند میں مدرس ہو گئے مثلاً مولانا محمد یعقوب اور ان کے دیگر ساتھی۔

قدیم دہلی کالج اور دارالعلوم دیوبند

یہاں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے براہ راست قدیم دہلی کالج کا اثر قبول نہیں کیا تھا چونکہ مولانا محمد یعقوب اور مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ جو بانیان دارالعلوم میں سے ہیں انھوں نے قدیم دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی میں تعلیم حاصل کی تھی اور مولوی مملوک علی کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ اس لئے ان کی شخصیت کو اگر وسیلہ مان لیا

Marfat.com

جائے تو دارالعلوم دیوبند نے اس تحریک میں حصہ لیا ہے چنانچہ علمی اور ادبی اعتبار سے دیوبند کی خدمات میں دہلی کالج کے اثرات پورے طرح عیاں ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹ ویں صدی عیسوی میں جو مناظراتی ادب سامنے آیا اسے بھی کلیتاً دہلی کالج کے اثرات سے آزاد نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس میں خالص مذہبی نقطۂ نظر کے مقابلے میں سائنسی اور نیم سائنسی انداز پر حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جو تاریخی اور تہذیبی عمل کے ساتھ ساتھ دہلی کالج کے بالواسطہ اثرات کا نتیجہ بھی ہے اور چونکہ دہلی کالج کے بعض لوگوں نے عیسائیت کی طرف اپنے رجحان کو واضح کیا تھا جس کی نمایاں مثال ماسٹر رام چندر کی ہے اس وجہ سے عیسائیت کے خلاف جو مناظرے ہوئے اس میں تو وہ ذہن بھی شریک نظر آتا ہے جسے بہت کچھ دہلی کالج کی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے سائنسی طریقۂ فکر عقلی دلائل اور تاریخی شواہد پیش کرنے کی طرف رجحان اگر تمام تر نہیں تو بہت کچھ دہلی کالج کی تحریک سے ہی پیدا ہوا تھا جو تحریکات مابعد کے ذریعہ سے آگے بڑھا اور زیادہ ہمہ گیر ثابت ہوا۔

قدیم دہلی کالج اور اردو نثر

شمالی ہند میں جدید مغربی علوم کے اس اولین گہوارہ قدیم دہلی کالج نے نہ صرف کالج میں طلبا کی تعلیم و تربیت کی بلکہ بیرون کالج خصوصاً اہل قلم حضرات نے اس جدید روشنی سے فیض حاصل کیا۔ کالج کے مدبر مستشرقین میں مسٹر ٹیلر، بترو، ڈاکٹر اشپرنگر اور کارگل جیسے حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ انھوں نے اہل قلم حضرات کو اپنا ہم نوا بنایا اور ان کی مدد سے جدید مغربی میلانات کو نہ صرف شہر دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں بالخصوص شمالی ہندوستان میں روشناس کرایا۔ دہلی کالج نے شہر کے علماء وفضلا کے تعاون سے سہل و سلیس نثر نگاری کو عام کیا اور اس سہل نگاری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے متاثر ہو کر شہر کے دیگر اہل قلم حضرات نے اس کا استقبال کیا اور اس

Marfat.com

ادارے کے مستشرقین سے تصنیف وتالیف کے نئے انداز سیکھے۔

قدیم دہلی کالج اور سرسید

اس عہد میں دہلی کی ایک اہم شخصیت سرسید کی ہے جو دہلی کالج کی اس تحریک سے، کچھ عرصہ بعد ہی سہی، لیکن بے پناہ متاثر ہوئے۔ سرسید کے عزیز دوست امام بخش صہبائی کالج میں فارسی کے استاد تھے۔ مسٹر اشپرنگر کی ایماء پر سرسید نے دہلی کی تاریخی عمارتوں پر امام بخش صہبائی کے تعاون سے ''آثار الصنادید'' مرتب کیا۔

سرسید دہلی کالج کی آرکالوجیکل سوسائٹی کے ممبر تھے اور اس کے اجلاس میں مقالے پڑھتے تھے۔ ایک اجلاس کا ذکر اخبار الحقائق نے ۳ فروری ۱۸۵۲ء کے شمارے میں کیا تھا۔ اخبار کے مطابق اس وقت سوسائٹی کے سکریٹری مسٹر کارگل پرنسپل دہلی کالج اور نائب سکریٹری مسٹر مورگن سیشن جج تھے جبکہ نواب ضیاء الدین، مفتی صدرالدین آزردہ اور ڈاکٹر چمن لال ممبران میں سے تھے۔ سرسید نے اس اجلاس میں دہلی کی تاریخی عمارت جنتر منتر پر اپنا ایک مقالہ پڑھا اور اس پر زوردار بحث ہوئی بعد ازاں مقالہ نگار سرسید نے اپنی تصنیف ''آثار الصنادید'' اشاعت ثانی کے لئے سکریٹری کی خدمت میں پیش کیا۔ سوسائٹی نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ اشاعت سے قبل مسٹر کارگل اس کا تحقیقی جائزہ لیں گے۔ سکریٹری نے کالج کی پالیسی اور وقت کے تقاضے کے مطابق اس کی زبان وبیان کو سلیس وسادہ اور عام وفہم کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد ہی ''آثار اصنادید'' کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آسکا۔ اس کی زبان وبیان پہلے نسخے سے کہیں زیادہ سلیس وسادہ ہے۔

یہاں اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ سرسید گرچہ اس ادارے کے طالب علم نہیں تھے تاہم انھوں نے دہلی کالج کی تحریک سے متاثر ہوکر سلیس وسادہ نثر نگاری کا اسلوب سیکھا۔ مولانا حالی نے بھی حیات جاوید میں اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے

Marfat.com

کہ سرسید نے مستشرقین کی حوصلہ افزائی اور قدردانی سے ''آثار اصنادید'' کو خوب سے خوب تر بنا دیا۔ اس کے علاوہ سرسید کے ماسٹر رام چندر سے بھی دوستانہ مراسم تھے کہ ایک زمانے میں جب سرسید دہلی میں منصفی کے عہدے پر فائز تھے اور اپنے مرحوم بھائی کا پرچہ سید الاخبار بھی نکالتے تھے وہ ماسٹر رام چندر کی صحافتی سرگرمیوں سے کیسے بے خبر ہوں گے۔ دہلی کالج کی سائنسی سرگرمیوں کے علاوہ اس ادارہ کی صحافتی سرگرمیوں سے بھی سرسید کو قلبی لگاؤ تھا۔ ابتدائی عمر کے یہ تجربات و تاثرات علی گڑھ تحریک کی ابتداء میں جبکہ سرسید نے تعلیمی پروگرام کا خاکہ تیار کیا تھا یقیناً مددگار ثابت ہوئے ہوں گے۔

قدیم دہلی کالج کا زوال اور نشاۃ ثانیہ کی لہر

۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ میں قدیم دہلی کالج پر کیا گذری اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔ کالج کسی نہ کسی طرح گرچہ ۱۸۷۷ء تک چلتا رہا لیکن اس کی اصل روح ۱۸۵۷ء میں ہی نکل چکی تھی سرسید اور ان جیسے سیکڑوں بہی خواہ اس کو یاد کر کے روتے تھے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کالج کو نئی قوت سے آراستہ کرتا اور اسے استحکام و دوام بخشتا البتہ قدیم دہلی کالج کی خدمات اور قربانی کے نتیجہ میں کالج کے زوال کے ساتھ ہی نشاۃ ثانیہ کی ایک لہر دوڑ گئی چنانچہ مختلف انجمنوں لٹریری سوسائٹیوں اور تعلیمی اداروں کا قیام علم میں آتا چلا گیا۔ دتاسی نے اپنے خطبات اور مقالات میں ان انجمنوں اور سوسائٹیوں کے قائم ہونے کا بار بار ذکر کیا ہے اس سلسلے میں قدیم دہلی کالج کی ورنا کلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے طرز پر سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کر کے پیش قدمی کی۔

سائنٹفک سوسائٹی

۱۸۶۳ء میں سرسید نے غازی پور کے قیام کے دوران ایک سائنٹفک سوسائٹی

Marfat.com

کی بنیاد ڈالی۔ سوسائٹی کی غرض و غایت کے تعلق سے مولوی عبدالحق کا کہنا ہے:

> ''سائنٹفک سوسائٹی اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ لٹریری اور علمی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرا کر مغربی لٹریچر اور مغربی علوم کا مذاق اہل وطن میں پیدا کیا جائے۔ علمی مضامین پر لکچر دیے جائیں رعایا کے خیالات گورنمنٹ پر اور گورنمنٹ کے اصول حکمرانی رعایا پر ایک ایسے اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیے جائیں جو اردو انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا کرے۔ ہندو، مسلمان اور انگریز تینوں قوموں کے ممبر اس میں شامل کیے جائیں اور اس طرح قومی مغائرات اور مذہبی تعصّبات اور جو جھجھک ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے ہے اس کو آہستہ آہستہ کم کیا جائے'' ۸

اس انجمن کے مددگار معاونین ہر قوم وملت کے افراد تھے۔ غازی پور میں ترجمہ کا کام شروع ہو گیا تھا لیکن ۱۸۶۴ء میں سرسید کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا اور یہ کام بھی غازی پور سے علی گڑھ منتقل ہو گیا۔ جب سرسید نے علی گڑھ کو اپنا مستقل طور پر مسکن بنانے کا ارادہ کیا تو سائنٹفک سوسائٹی کے لئے خصوصی طور پر ایک عمارت تعمیر کراوئی۔ سرسید کو اس سوسائٹی سے والہانہ لگاؤ تھا۔ انھوں نے اپنا ذاتی مطبع جو تقریباً آٹھ ہزار روپے کی

Marfat.com

مالیت کا تھا نذر کر دیا تراجم کے کم وبیش وہی اصول اپنائے گئے جو قدیم دہلی کالج کے تھے۔ سلیس وسادہ اور عام فہم زبان میں تراجم کرائے اور اس پریس سے ان کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس سوسائٹی نے اپنی ابتدائی کوششوں سے ۱۸۷۰ء تک تقریباً چالیس کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرلی تھیں۔ دہلی کالج کے تربیت یافتہ مولوی ذکاءاللہ، ماسٹر رام چندر، محمد حسین آزاد، نذیر احمد اور پیارے لال آشوب سرسید کے ساتھ ذہنی طور پر منسلک تھے۔ ان میں چند حضرات جیسے مولوی ذکاءاللہ، ماسٹر رام چندر، محمد حسین آزاد، نذیر احمد تو دامے درمے سخنے سرسید کے ساتھیوں میں سے تھے کہ دہلی کالج کا نعم البدل پیدا ہو گیا تھا اور وہ چشمہ جس سے عوام فیض یاب ہو رہے تھے دوبارہ جاری ہو گیا۔ ان حضرات کی کوششوں اور مشوروں سے ۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجراء ہوا۔

انسٹی ٹیوٹ گزٹ

سائنٹیفک سوسائٹی کی سرگرمیوں کا اس پرچہ میں خصوصی طور پر ذکر کیا جاتا تھا۔ اور منشور کے مطابق علمی وسیاسی مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ یہ ہفتہ وار اخبار دہلی کالج کے فوائد الناظرین یا محبّ ہند کے طرز پر نکالا گیا۔ اگر یوں کہا جائے کہ ان پرچوں کی ترقی یافتہ شکل تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں بھی اس انداز کے مضامین، علمی سرگرمیاں، سیاسی خبریں اور دوسرے اخبارات کے مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ زبان وبیان کے اعتبار سے بھی قدیم دہلی کالج سے شائع ہونے والے پرچوں کی تقلید کی گئی جہاں ماسٹر رام چندر اپنے عہد کے طرز اور اسلوب سے ہٹ کر انتہائی عام فہم اور سادہ وسلیس زبان کی داغ بیل ڈال چکے تھے، چنانچہ پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی رقم طراز ہیں:

"انہوں نے دقیق الفاظ، دور از کار

Marfat.com

محاورے اور بے جا و بے محل تشبیہات
اوراستعارات کہیں استعمال نہیں کئے
اوراس بات کی خاص طور پر کوشش کی کہ ہر
پڑھنے والا ان کے مضامین کو بہ آسانی سمجھ
سکے سلاست وسادگی کے علاوہ وضاحت
بھی ان کے طرز کی ایک نمایاں خوبی
ہے''۹

اس مقصد کو مدنظر رکھ کر ''انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' میں زبان و بیان کا استعمال کیا گیا تا کہ عوام بہ آسانی زبان و بیان کے پیچ وخم میں نہ پڑ کر نفس مضمون کو آسانی سے سمجھ لے۔ یہاں زبان و بیان کی آرائش وزیبائش سے کہیں زیادہ اس کے مطالب پر زور دیا گیا اور ادب برائے مقصد کی پیروی کرتے ہوئے مضامین لکھے گئے اس سوسائٹی کی دیکھا دیکھی ملک کے دیگر حصوں میں بھی علمی وادبی سوسائٹیاں اور انجمنیں قائم ہونا شروع ہوگئیں اور بہت سے بیدار ذہن ایک نئی زندگی اور نئی دنیا کا خواب دیکھنے لگے۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ

سرسید کے حوصلے بہت بلند تھے اور وہ اس سے بھی زیادہ علمی بیداری کا جذبہ رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مغربی تعلیم وافکار میں ذہن کو بیدار کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہو اور اس کے تعلیم یافتہ نوجوان مستقبل میں عوام اور حکومت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لائق ہوئیں۔اسی لئے انھوں نے روایتی علوم کے مقابلے میں جدید عقلی مغربی علوم کو اپنانے کی پرزور کوشش کی بقول ڈاکٹر سیدہ جعفر:

''سرسید کی تحریک میں ہمیں جو خارجی
حقائق کی تلاش اور منطقی استدلال کے تیور

Marfat.com

نظر آتے ہیں وہ ان کی عقل پرستی کے شاہد
ہیں۔سائنٹفک سوسائٹی اور علی گڑھ
یونیورسٹی کا قیام بھی اسی کا نتیجہ ہے''۱۰

وہ جانتے تھے کہ محض اخبارات کے شائع ہو جانے اور سوسائٹی کے تراجم سے عوام میں بے شک جدید علوم سے رغبت پیدا ہو رہی ہے۔لیکن ابھی ان کی تربیت کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کا قیام لازم ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔لیکن جس طرح کا تعلیمی ادارہ وہ چاہتے تھے اس کا واضح خاکہ ان کے ذہن میں نہ آسکا۔اسی غرض سے انھوں نے برطانیہ کا سفر کیا کہ جدید علوم وفنون کے منبع کا جب تک بہ نظر غائر مشاہدہ نہ کیا جائے اس وقت تک اس ادارے کی داغ بیل نہیں ڈالی جاسکتی یہی مقصد لے کر وہ ۱۸۶۹ء میں انگلینڈ کے دورے پر گئے اس سلسلے میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''وہاں (انگلینڈ) انھوں نے بہت
سے تعلیمی اداروں کا معائنہ کیا ان کے
طریقہ تعلیم کو دیکھا۔بہت سے عالموں
سے ملاقات کی اور ہر طرح کے جلسوں
میں شریک ہوئے۔اس کا اثر یہ ہوا کہ سید
احمد کی مغربی نظام تعلیم کے بارے میں
گہری نظر پیدا ہوئی اور انھیں یہ دیکھ کر
بہت دکھ ہوا کہ ہندوستانی نظام تعلیم میں
ابھی اس پیمانے پر کام شروع نہیں ہوا
ہے''۱۱

۱۸۷۰ء میں جب وہ ہندوستان آئے تو یونیورسٹی اور کالج کا خاکہ واضح طور پر

Marfat.com

تیار کر چکے تھے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے طرز پر مدرستہ العلوم کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور سیاسی اصلاح بھی کرنا چاہتے تھے کہ جب تک اہل وطن کی مذہبی اور سیاسی اصلاح نہیں ہوتی اس وقت تک سارا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے دسمبر ۱۸۷۰ء میں ایک دوسرا ماہنامہ رسالہ تہذیب الاخلاق کے نام سے اجرا کیا جیسا کہ ان کا مقصد تھا ویسا ہی نام اس کے لئے تجویز کیا اور اس میں اس طرح کے مضامین بھی شائع کئے گئے۔ سرسید کے قلم کاروں میں قدیم دہلی کالج کے تعلیم یافتہ بھی برابر کے شریک تھے۔ منشی ذکاءاللہ مستقل ان کے پرچوں کے لئے لکھتے اور عوام کی اصلاح کرتے مدرستہ العلوم کے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والے ذکاءاللہ، حالی، شبلی اور نذیر احمد وغیرہ حضرات تھے۔ یہ لوگ تمام ملک کا دورہ کرتے اور اس کے لئے فضا ہموار کرتے۔ پانچ برسوں کی مستقل کوششوں اور جدوجہد کے بعد ۱۸۷۵ء میں جدید طرز کے مدرسہ کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۸۷۵ء تک مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا اندازہ مولانا حالی کے ذیل کے قول سے لگایا جا سکتا ہے:

''تمام ہندوستان میں مسلمان
گریجوٹس کی تعداد صرف بیس تک پہنچی
تھی...... حالانکہ اس وقت ہندو گریجوٹس
کی تعداد ۸۴۶ تک پہنچ گئی تھی'' ۱۲

ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید اور ان کے رفقاء کی بے چینی اور بے قراری کس حد تک بجا تھی۔ ۱۸۷۶ء میں سرسید نے ملازمت سے پنشن لے کر علی گڑھ کو اپنا مستقل مسکن بنایا اور بقیہ زندگی بھی اسی قوم وملت کی نذر کر دی جس کی بہبودی کے لئے وہ ہمہ تن مصروف رہتے تھے ان کے علاوہ اس میں لکھنے والوں کی طویل فہرست ہے جن میں خصوصیت سے نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولوی

Marfat.com

عنایت اللہ علی اور خود سرسید کے صاحبزادے سید محمود کے نام قابل ذکر ہیں کہ یہ حضرات علمی، ادبی، اخلاقی، معاشرتی، تمدنی غرض ہر موضوع پر مضامین لکھتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔

انجمن اشاعتِ مطلب مفیدہ پنجاب

۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء میں کرنل ہالرائڈ (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب) کے ایما پر لاہور میں یہ انجمن قائم ہوئی۔ کرنل ہالرائڈ مشرقی علوم وفنون کے احیاء کا زبردست حامی تھا۔ اسی مقصد کے تحت اس نے عربی کے بہترین عالم اور لاہور کالج کے پرنسپل جی. ڈبلیو لائٹنر (G.W.LEITNER) کو اس سلسلے میں مشورہ دیا۔ چنانچہ پرنسپل نے شہر کے علم دوست حضرات، رؤسا اور شرفا کو دعوت نامے بھیجے اور مذکورہ بالا تاریخ کو "شکتی سبھا" کے مکان پر ایک جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت پنڈت من پھول اسسٹنٹ کمشنر نے کی انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا:

> "اے صاحبان! ہم کئی برس سے اس فکر میں تھے کہ مثل کلکتہ اور لکھنو اس شہر میں بھی جو دارالسلطنت پنجاب ہے۔ ایک مجلس رئیسان، نامی عالم، فاضل۔ لائق علم وہنر کے ایسی مقرر کی جائے کہ جس میں تنقیح مطالب مفید پنجاب وترقی علم وہنر کے تحریراً نیز تقریراً عمل میں آکر بذریعہ چھاپہ خانہ مشتہر ہوا کرے۔ مگر یہ مطلب ہمارا بدون ہونے ایک زبردست عالم وفاضل عصر کے اب تک حاصل نہیں

Marfat.com

ہو سکا تھا''۱۳؎

چنانچہ اس طرح انجمن اشاعت مطلب مفید پنجاب کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر خود کرنل ہالرائڈ تھے۔ شعبہ انگریزی کے سکریٹری نوین چندرائے اور شعبہ فارسی کے منشی ہرسکھ رائے (مہتمم کوہ نور اخبار) مقرر ہوئے۔ شہر کے دیگر علماء و فضلا اس کے ممبر بنائے گئے۔ اور انجمن کے اغراض و مقاصد درج ذیل طے پائے۔

۱- قدیم مشرقی علوم کا احیاء لسانیات، بشریات، تاریخ نیز ہندستان اور ہمسایہ ملکوں کے آثار قدیمہ کے سلسلے میں تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی۔

۲- دیسی زبانوں کے ذریعہ عوام میں تعلیم کا فروغ

۳- صنعت و تجارت کی ترقی

۴- معاشرتی، ادبی، سائنسی اور عام دلچسپی کے سیاسی مسائل پر تبادلہ خیالات حکومت کے تعمیری اقدام کو مقبول بنانا، ملک میں وفاداری اور مشرقی ریاست کی شہریت کے احساس کو فروغ دینا اور عوام الناس کی خواہشات و مطالبات کے مطابق حکومت کو تجاویز پیش کرنا۔

۵- مفاد عامہ کے تمام اقدامات میں صوبے کے تعلیم یافتہ اور بااثر طبقوں کو افسروں کے قریب لانا۱۴؎۔

اس کے علاوہ بہت سے سیاسی، سماجی اور ادبی امور تھے جو انجمن کے لائحہ عمل میں شامل تھے۔ انجمن کے محرکین کا یہ اقدام قابل ستائش ہے کہ خطے کی مادری زبان پنجابی ہوتے ہوئے بھی ان حضرات نے اردو کو پروان چڑھایا اور اردو نصاب تیار کرائے اور موجودہ NCERT کے طرز پر ایک شعبہ قائم ہوا جو پورے پنجاب کے لئے درسی کتابیں تیار کراتا تھا۔ انجمن نے مختلف اہل قلم حضرات کے تعاون سے اردو لیکچر کا سلسلہ شروع کرایا اس کی خدمات کے لئے ملک کے گوشے گوشے سے قابل اور ذی علم لوگوں کو جمع کیا گیا جن میں ایک اہم نام مولانا محمد حسین آزاد کا ہے۔ یہ پوری

Marfat.com

توجہ سے انجمن کی سرگرمیوں میں حصہ دینے لگے۔ آگے چل کر جب آزاد کو انجمن کا سکریٹری مقرر کیا گیا تو انھوں نے اس کے دائرہ عمل میں وسعت پیدا کی اور خالص علمی وادبی کاموں سے آگے بڑھ کر غرباء کی خبر گیری پر بھی توجہ دینے لگے۔ اس کے علاوہ آزاد جلسوں کے لیکچر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ان کے لیکچر کی خوبی یہ تھی کہ موضوعات میں تنوع ہوتا تھا۔ جس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہوتا تھا۔ چنانچہ دہلی کالج کی روایت کو برقرار رکھا کہ اس کالج میں بھی وہ انعامی مقابلوں میں اس طرح کے جدید موضوعات پر مضامین لکھ کر انعام حاصل کر چکے تھے۔

اس انجمن کا ایک بڑا کارنامہ اردو شاعری کو عشق وعاشقی کے مضامین ،ہجر ووصال کی باتیں ،تشبیہ واستعارہ ،صنائع وبدائع کے حلقے سے نکال کر حقیقت پسندی اور زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی جانب لانا تھا۔ گویا کہ جدید شاعری کا آغاز ہو رہا تھا جس میں محمد حسین آزاد پیش پیش تھے۔ انھوں نے اپنے لیکچروں کے ذریعہ فضا کو ہموار کیا اور عوام وخواص کو جدید شاعری کے لئے آمادہ کیا۔ پروفیسر احتشام حسین اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "۱۸۶۷ء میں جب انھوں (آزاد)
> نے نظم اور کلام موزوں کے بارے میں
> اپنے خیالات ایک لیکچر کی شکل مین پیش
> کئے یہ پہلا بیج تھا جو موافق سرزمین میں
> ڈالا گیا اور رائیگاں نہیں گیا بلکہ بہت جلد
> برگ وبار لایا" ۱۵

سات سال تک وہ جدید شاعری کے لئے فضا ہموار کرتے رہے۔ خود بھی نظمیں لکھتے اور حالی سے بھی لکھواتے رہے بالآخر مئی ۱۸۷۴ء میں جدید طرز کے مشاعرہ کا پہلا جلسہ اسی انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہوا جس میں کرنل ہالرائڈ نے اپنے افتتاحی

Marfat.com

تقریر میں کہا:

''یہ جلسہ اس لئے منعقد کیا گیا ہے کہ
نظم اردو جو چند عوارض کے سبب تنزل اور
بدحالی مین پڑی ہے اس کے ترقی کے
سامان بہم پہنچائے جائیں ...اب میں یہ
تجویز پیش کرتا ہوں کہ جس طرح ہر شہر
میں عموماً شاعری ہوا کرتی ہے آپ بھی
ایک شاعری مقرر کریں مگر اتنا ہو کہ یہ
بجائے طرح مصرع کے کوئی مضمون خاص
ملا کرے کہ اس پر سب لوگ طبع آزمائی
کر کے لایا کریں اور جلسۂ عام میں سنایا
کریں ....میری رائے ہے کہ مہینے بھر
کے بعد یہ جلسہ ہوا کرے اور اب کی دفع
جو جلسہ ہو سب اہل سخن ایک نظم برسات کی
تعریف مین کریں''۱۶

کرنل ہالرائڈ کی یہ تقریر زندہ ہوگئی اسی موقعہ پر آزاد نے اپنی پہلی نظم ''شام کی آمد'' اور ''رات کی کیفیت'' پڑھی۔ روایتی شاعری کے خلاف آواز بلند کرنا اس زمانے میں ایسا ہی تھا جیسے بھڑ کے چھتے میں ہاتھ دے دینا۔

چنانچہ آزاد کی جدید نظم پر چاروں طرف سے واویلا مچ گیا اور لوگ طعنے دینے لگے۔ لیکن آزاد اپنے خیال کو حق بجانب سمجھتے ہوئے اس پر قائم رہے اور استقامت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ بالآخر ۳۰ مئی ۱۸۷۴ء کا وہ تاریخ ساز دن بھی آیا جب جدید شاعری کا پہلا مشاعرہ منعقد ہوا۔ جس کا موضوع ''برسات'' تھا۔ اس مشاعرہ میں

Marfat.com

آزاؔد اور حاؔلی کے علاوہ دیگر اہم شعراء نے بھی نظمیں پڑھیں۔ حاؔلی کی برکھارت بے حد پسند کی گئی۔ اخبار پنجابی نے ۴ جولائی ۱۸۷۷ء کے شمارہ میں اس نظم کی تعریف جن الفاظ میں اس کو گارساں دتاسی نے اپنے مقالات میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

> ''جس نے یہ نظم نہ پڑھی ہو وہ پڑھ کر دیکھے کہ شاعر نے کس خوبی سے یہ تصویر بنائی ہے۔ جنھوں نے شاعر کی زبان سے اسے سنا وہ مرحبا کہہ اٹھے اور کوئی صاحب ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتا۔ وطن کی خصوصیتوں کو ایسی عمدگی سے بیان کیا ہے کہ اور کسی مثنوی میں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ بڑی بات یہ ہے کہ شاعر نے کوئی بے موسم کی راگنی نہیں چھیڑی اور نہ حسن وعشق کے چرچے کئے پھر بھی اس کی سادگی اور رنگینی جادو کا کام کر گئی'' ۱۷

سرسید احمد نے ان کوششوں کی دل سے قدر کی اور ان کی تعریف میں اپنے خطوط انجمن پنجاب کو لکھے لیکن آزاؔد اور حاؔلی کے پیچھے لوگ ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔ پھر بھی یہ حضرات نہ بددل ہوئے اور نہ ہی استقلال میں فرق آیا۔ آگے چل کر ان حضرات نے سرسید کی تحریک کو مزید افادیت کے تصور سے روشناس کرایا کہ جو کام دہلی کالج اور سرسید تحریک نہ کر پائی تھی اسے انجمن پنجاب نے کر دکھایا۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں وہی ذہن کام کر رہا تھا جو دہلی کالج کے تربیت یافتہ تھے۔ بعد میں یہ ساری کوششیں سرسید تحریک میں ضم ہوگئیں جس کے نتیجہ میں مدوجزر اسلام، مقدمہ شعر وشاعری، یادگار غالب اور حیات جاوید جیسی تصانیف سامنے آئیں۔ اس طرح حالی نے سرسید کے

Marfat.com

خیالات کو نظم ونثر دونوں سانچوں میں ڈھالا اگر محمد حسین آزاد نظم جدید کے بانی ہیں تو حالی نے اسے مستقل حیثیت سے اپنایا۔ حالی کی ادبی شخصیت کو ابھارنے اور راہیں متعین کرنے میں سرسید کا بڑا دخل ہے۔

اسی طرح اگر ان تمام کڑیوں کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ سلسلہ قدیم دہلی کالج کی جدید تحریک سے ملتا ہے جو شمالی ہندوستان کا اولین جدید گہوارہ تھا اور باقی سب اس ادارے کی شاخیں تھیں۔

Marfat.com

حواشی

۱. سی. ایف. اینڈریوز، ذکاءاللہ آف دہلی
(کراچی: تعلیمی مرکز، مترجم ضیاء الدین) ص ۴۷ تا ۷۶

۲. دہلی کالج اردو میگزین، قدیم دلی کالج نمبر
(دہلی: مرتب خواجہ احمد فاروقی، ۱۹۵۳ء) ص ۳۸

۳. آستانہ حکمت، مئی ۱۸۸۴ء بحوالہ قدیم دلی کالج نمبر، ص ۴۴

۴. اخبار الحقائق ۲۷ مارچ ۱۸۵۲ء بحوالہ قدیم دلی کالج نمبر ص ۴۰

۵. لیکچروں کا مجموعہ جلد اول، ص ۲۷۸

۶. قدیم دلی کالج نمبر، دہلی کالج اردو میگزین
(دہلی: مرتب خواجہ احمد فاروقی، ۱۹۵۳ء) ص ۳۹

۷. ایوب قادری، مولانا احسن نانوتوی
(کراچی: روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی) ص ۳۱

۸. مولوی عبدالحق، مطالعہ سرسید احمد خاں
(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس) ص ۱۳۵-۱۳۶

۹. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر
(دہلی: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء) ص ۱۳۴

۱۰. سیدہ جعفر، فن کی جانچ
(دہلی نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۵ء) ص ۱۰۹

۱۱. خلیق احمد نظامی، سید احمد خاں
(نئی دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، حکومت ہند، ۱۹۷۱ء) ترجمہ اصغر عباس، ص ۷۹-۸۰

۱۲. مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید

Marfat.com

(آگرہ؛ مفید عام پریس) ص ۴۲۸

۱۳۔ ڈاکٹر صفیہ بانو، انجمن پنجاب

(لاہور؛ مطبوعہ ۱۹۷۸ء) ص ۱۰۶-۱۰۷

۱۴۔ ایضاً " ص "

۱۵۔ نیاز فتحپوری، نگار، ص ۱۳۴، اصناف سخن نمبر، جنوری، فروری ۱۹۵۷، مضمون اردو نظم کا تاریخی اور فنی ارتقاء

۱۶۔ کوہ نور اخبار مورخہ ۱۶ جون ۱۸۷۴ بحوالہ قدیم دلی کالج نمبر، ص ۵۷-۵۸

۱۷۔ گارساں دتاسی، مقالاتِ حصہ دوم

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۹۴۳ء) ص ۳۳

Marfat.com

کتابیات

Marfat.com

Marfat.com

بنیادی مآخذ

1. اصول پولیٹیکل اکونومی

جان اسٹورٹ مل/ مترجم: منشی وزیر علی

2. اصول جبر و مقابلہ

تالیف: رام چندر، ۱۸۴۵ء دہلی اردو اخبار پریس

3. اصول دھرم شاستر

ڈبلیو ایچ میکناتھن/ مترجم: پنڈت رام کشن

4. اصول سرکاری محاصل کے

مسٹر بترو/ مترجم: پنڈت رام کشن

5. اصول علم انتظام مدن

فرانس وے لینڈ/ مترجم: پنڈت دھرم نارائن

6. اصول علم حساب

ڈی مارگن/ مترجم: منشی ہردیو سنگھ

7. اصول علم مثلث و تراش ہائے مخروطی و علم ہندسہ بالجبر

ہٹن، بوشارلٹ و سائمن/ مترجم: رام چندر ۱۸۴۴ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

8. اصول علم حساب، جزئیات و کلیات

Marfat.com

رام چندر

9. اصول علم منطق

مترجم مولوی سید محمد، ۱۸۴۴ء دہلی اردو اخبار پریس

10. اصول قواعد مایعات

تھامسن و پیٹر/ مترجم: اجودھیا پرساد، ۱۸۵۰ء، دہلی اردو اخبار پریس

11. اصول قوانین ممالک مختلف

مترجم پنڈت رام کشن/ مسٹر بترو

12. اصول قواعد اخلاق اور قوانین

بینتھم اور ڈومنٹ/ مترجم: پنڈت رام کشن ۱۸۴۳ء

13. اصول گورنمنٹ کے

سر جی، نورٹن/ مترجم: رام چندر اور پیتامبر

14. اعجاز القرآن

تالیف: ماسٹر رام چندر

15. اعتراض قرآن

تالیف: ماسٹر رام چندر

16. تاریخ ابوالفدا

مولوی کریم الدین پانی پتی ۱۸۸۶ء، مطبع نول کشور لکھنؤ

17. تاریخ ہندوستان

مولوی کریم الدین پانی پتی ۱۸۸۶ء، مطبع نول کشور لکھنؤ

18. تاریخ الحکماء

مولوی سبحان بخش، ۱۸۴۸ء/ جلال الدین سیوطیؒ

19. تاریخ ہند

منشی نور محمد، امام بخش صہبائی، مولوی سبحان بخش، مولوی احمد علی/ مارش مین

Marfat.com

۱۸۴۳ء دہلی اردو اخبار پریس

20. تاریخ کشمیر

منشی اشرف علی/محمد اعظم، مطبع العلوم مدرسہ دہلی

21. تاریخ روم

منشی شیو پرساد/گولڈ اسمتھ، دہلی اردو اخبار پریس، ۱۸۴۵ء سے قبل

22. تاریخ انگلستان

کالج کے کئی اساتذہ/گولڈ اسمتھ ۱۸۴۴ء

23. تاریخ ایران

منشی حسینی/کونڈور، ۱۸۴۵ء، دہلی اردو اخبار پریس

24. تاریخ مغلیہ

منشی حسینی و منشی نور محمد، ۱۸۴۷ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

25. تحریر اقلیدس

مترجم: مولوی مملوک علی نانوتوی، مطبع العلوم مدرسہ دہلی

26. تذکرہ شعرائے عرب

مولوی کریم الدین/گارساں دتاسی، ۱۸۴۸ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

27. تذکرۃ الکاملین

ماسٹر رام چندر، ۱۸۴۹ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

28. تذکرہ سکندر اعظم

پلوٹارک/سروپ نارائن، ۱۸۴۷ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

29. تسہیل القواعد

مولوی کریم الدین پانی پتی

30. تواریخ بری اور بحری

منشی شیو پرساد

Marfat.com

31. توزک تیموری

مولوی سبحان بخش، ۱۸۴۵ء دہلی اردو اخبار پریس

32. جغرافیۂ ہند

پنڈت شیو نارائن، سروپ نارائن

33. حدائق البلاغت

امام بخش صہبائی/شمس الدین فقیر

34. خط تقدیر

مولوی کریم الدین پانی پتی

35. خلاصہ قوانین فوجداری

منشی حسینی/اسکیپ وتھ، مطبع العلوم مدرسۂ دہلی

36. رسالہ اصول کلوں کے باب میں

ٹی بیٹس/مترجم: رام چندر، ٹامسن کالج پریس روڑکی، ۱۸۶۳ء

37. رسالہ بیچ بیان اعمال جراحی کے

کوپر/مترجم: مسٹر ٹیلر، ۱۸۴۸ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

38. رسالہ علم ادات

ینگ/مترجم: پنڈت رادھا کشن، ۱۸۵۲ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

39. رسالہ پیمائش زمین کا

تھیوڈولائٹ/مترجم: منشی ہردیو سنگھ، قادر علی، ۱۸۴۸ء مطبع العلوم

40. رسالہ علم طب

مترجم: پنڈت رام کشن؟

41. رسالہ مسائل کلیات وجزئیات

تالیف: ماسٹر رام چندر، ۱۸۵۹ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

Marfat.com

42. رسالہ مقناطیس

مترجم: کمال الدین حیدر لکھنوی، ۱۸۵۰ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

43. رسالہ علم طبیعی

پنڈت اجودھیا پرساد، منشی شیو پرساد، ۱۸۴۲ء

44. رسالہ در اثبات وجود باری

مترجم: دیون شاہ

45. رسالہ تحریف قرآن

ماسٹر رام چندر

46. رسالہ قواعد اردو

امام بخش صہبائی

47. سریع الفہم

رام چندر، ۱۸۴۹ء مطبع العلوم مدرسہ دہلی

48. سنن ترمذی

مولوی مملوک نانوتویؒ

49. صحیح بخاری

بایماء ڈاکٹر اشپرنگر، مطبع العلوم مدرسہ دہلی

50. طبقات شعراء ہند

مولوی کریم الدین/گارساں دتاسی، ۱۸۴۸ء

51. عجائبات روزگار

ماسٹر رام چندر

52. علم مثلث

مترجم: منشی ذکاء اللہ

53. قانون مال کا

فارسی کتاب: نسخہ رہنما کا ترجمہ/کالج کے متعدد علماء، دہلی اردو اخبار پریس ۱۸۴۶

Marfat.com

54. لیلاوتی
مترجم: سید محمد خوشنویس، ۱۸۴۵ء رفاہِ عام پریس دہلی
55. مسیح الدجال
ماسٹر رام چندر

ثانوی ماخذ

1. الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید
(آگرہ: مفید عام پریس، ۱۹۰۳ء)
2. اسیر ادروی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حیات اور کارنامے
(دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم ۱۹۹۷ء)
3. ابن بطوطہ، سفرنامہ
(کراچی: نفیس اکیڈمی)
4. انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں
(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱ء)
5. امداد صابری، آثار رحمت
(دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۶ء)
6. امداد صابری، اردو کے اخبار نویس
(دہلی: صابری اکیڈمی)
7. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو
(دہلی: جدید پرنٹنگ پریس)
8. ایوب قادری، مولانا احسن نانوتوی
(کراچی: روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، ۱۹۶۶ء)
9. اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اردو
(دہلی: اردو کتاب گھر، ۱۹۶۴ء)

Marfat.com

10. پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، منشورات

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۳ء)

11. دہلی کالج اردو میگزین، قدیم دلی کالج نمبر

(دہلی: مرتب خواجہ احمد فاروقی، ۱۹۵۳ء)

12. پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، ماسٹر رام چندر

(دہلی: شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء)

13. خلیق احمد نظامی، سید احمد خاں

(نئی دہلی: پبلی کیشنز ڈویژین، پٹیالہ ہاؤس، حکومت ہند، ۱۹۷۱ء)

14. حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو

(دہلی: عاکف بکڈپو، مٹیا محل، ۱۹۹۵ء)

15. ڈاکٹر عابدہ بیگم، اردو نثر کا ارتقاء (۱۸۰۰ء ۱۸۵۷ء تک)

(دہلی: ثمر آفسیٹ پریس دریا گنج، دسمبر ۱۹۸۸ء)

16. ڈاکٹر یوسف سرمست، بیسویں صدی میں اردو ناول

(دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء)

17. ڈاکٹر بدرالنساء شہاب، ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں سماجی اقدار

(پٹنہ: سلطان گنج، دارالادب، ۱۹۸۵ء)

18. ڈاکٹر صفیہ بانو، انجمن پنجاب

(لاہور: مطبوعہ ۱۹۷۸ء)

19. سہیل بخاری، اردو ناول نگاری

(دہلی: الحمرا پبلشرز، جولائی ۱۹۷۲ء)

20. سی۔ ایف۔ اینڈریوز، ذکاؤاللہ آف دہلی

(کراچی: مشہور پریس، مترجم ضیاءالدین احمد برنی)

21. سید فیاض محمود، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند آٹھویں جلد

(لاہور: پنجاب یونیورسٹی، پاکستان)

Marfat.com

22. سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی
(دہلی: کتابستان، گلی قاسم جان، بلیماران، ۱۹۸۵ء)

23. سید محمد میاں، علماء حق
(دہلی: الجمعیۃ بک ڈپو، بلیماران، ۱۹۳۷ء)

24. سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیوبند
(دیوبند: ادارہ اہتمام، دار العلوم، ۱۹۷۷ء)

25. سیدہ جعفر، فن کی جانچ
(دہلی: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۵ء)

26. شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ جلد اول
(دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، ۱۹۶۵ء)

27. شاہ اسمٰعیل شہید، تقویت الایمان۔
(دیوبند، مکتبہ تھانوی، ۱۹۸۴ء)

28. شاہد حسین رزاقی، سرسید اور اصلاح معاشرہ
(لاہور: مطبوعہ ۱۹۶۳)

29. عائشہ بیگم، تاریخ سماجیات
(نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۷ء)

30. عبد الحق، مطالعہ سرسید احمد خاں
(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۴ء)

31. مولوی عبد الحق، مرحوم دہلی کالج
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۵ء)

32. عبد اللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندستانی تمدن کی تاریخ
(مطبوعہ، ۱۹۶۷ء)

33. گارساں دتاسی، خطابتم
(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۲ء)

Marfat.com

34. مرزا فرحت اللہ بیگ، دلی کی آخری شمع

(دہلی: اردو اکیڈمی گھٹا مسجد دریا گنج، ۱۹۹۰ء)

35. مولوی بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت دہلی

(دہلی: اردو اکادمی گھٹا مسجد دریا گنج، ۱۹۹۰ء)

36. سید احمد خاں، آثار الصنادید

(دہلی: اردو اکادمی گھٹا مسجد، دریا گنج، ۱۹۹۰ء)

37. مولوی سبحان بخش، محاورات ہند

(دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۹۱۳ء)

38. محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین

(میرٹھ: ادارۂ اشاعت ادب، اگست ۱۹۷۶ء)

39. محمد حسین آزاد، مقالات آزاد

(لاہور: مرتب آغا محمد باقر، ۱۹۶۶ء)

40. مولوی کریم الدین، طبقات الشعرائے عرب

(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۸۴۷ء)

41. مولوی کریم الدین، تاریخ ہندستان

(لکھنؤ: مطبع نولکشور، ۱۸۸۶ء)

42. مولوی کریم الدین، طبقات شعرائے ہند

(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۹۴۸ء)

43. مولوی عبد الحق، خطبات

(دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۴ء)

44. مالک رام، قدیم دلی کالج

(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، فروری ۱۹۷۵ء)

45. مولوی سبحان بخش، تاریخ الحکماء

(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۹۴۸ء)

Marfat.com

46. ماسٹر رام چندر، عجائبات روزگار

(دہلی: مطبع دہلی اردو اخبار، ۱۹۴۷ء)

47. ماسٹر رام چندر، سریع الفہم

(دہلی: مطبع العلوم مدرسہ دہلی، ۱۸۴۹ء)

48. محمود الٰہی، بازیافت

(دسمبر ۱۹۶۵ء)

49. مرزا فرحت اللہ بیگ

ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری کچھ ان کی زبانی

50. مولانا قاسم نانوتویؒ، رسالہ تصفیۃ العقائد

(دیوبند: کتب خانہ عزیزیہ)

51. مولانا محمد یعقوبؒ، سوانح قاسمی

(دیوبند: دارالعلوم دیوبند، ۱۳۷۳ھ)

52. مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید

(سہارنپور: کتب خانہ اشاعت العلوم)

53. نور الحسن نقوی، سرسید اور ہندوستانی مسلمان

(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۹ء)

54. نذیر احمد، لیکچروں کا مجموعہ، جلد دوم

(آگرہ: مفید عام پریس، ۱۹۱۸ء، مرتب بشیر الدین احمد)

Marfat.com

اخبارات ورسائل

1. آج کل

(دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، ستمبر ۱۹۵۲ء)

2. تہذیب الاخلاق، جلد دوم

(مرتب ملک فضل الدین: لاہور)

3. اورینٹل کالج میگزین

(لاہور: ۱۹۳۴ء)

4. دلی کالج اردو میگزین

(قدیم دلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء، مرتب خواجہ احمد فاروقی)

5. رسالہ دہلی سوسائٹی

(رضا لائبریری رام پور)

6. دہلی اردو اخبار

(نیشنل آرکائیوز: نئی دہلی)

7. قرآن السعدین

(نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی)

8. نگار، نیاز فتحپوری

(اصناف سخن نمبر، جنوری فروری ۱۹۵۷ء، لکھنؤ)

9. نقوش سالنامہ

(لاہور: جنوری ۱۹۶۲ء)

10. نقوش، آپ بیتی نمبر

(لاہور: جون ۱۹۶۴ء)

Marfat.com

انگریزی کتب

1: A.J. Richter
Protestant Mission in Inida
(Edinburgh : 1924)

2: Barbra Dally Metcalf
Islamic Revival in British India; Deoband 1860-1900
(Princeton: Prinecton University Press, 1982)

3: Bipin Chandra
Modern India
(New Delhi: NCERT 1998)

4: B.L.Grover
History of Modern India
(New Delhi: S.Chand & Comp. (p) Ltd., 1988)

5: G.S.Krishnayya
Raja Rammohan Roy
(New Delhi: NCERT, 1969)

6: Majumdar, Rayachoudhri, Dutt
An Advance History of India
(Madras: Macmillan India Ltd., 1990)

7: S. C. Dube
Understanding Sociology
(New Delhi: NCERT, 1982)

8: S.H.Naquvi
Reading in Indian History Modern India
(New Delhi: Verma brothers, 1979)

9: S.M.Dube & Dinesh Sharma
Sociology: An Introduction
(New Delhi: NCERT, 1994)

Marfat.com

10: Spear, Percival
Twilight of Mughals Studies in late Mughal Delhi
(London: Cambridge University Press, 1951)

11: T.M.P. Mohadevan
Shri Rama Krishna
(New Delhi: NCERT, July 1972)

12: Tara Chand
History of the Freedom Movement in India
(Government of India: Ministry of Education, 1983)

13: Dr. Ashirwadi Lal Shrivastwa
Madhayakaleen Bhartiya Sanskriti
(Agra, Shivlal Agarwal and Com. 1986)

Marfat.com

خوب صورت اور معیاری
کتابیں چھپوانے کے لیے

ذخیرہ محمد اقبال مجددی

SHAHID PUBLICATIONS

شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲

Marfat.com

Marfat.com

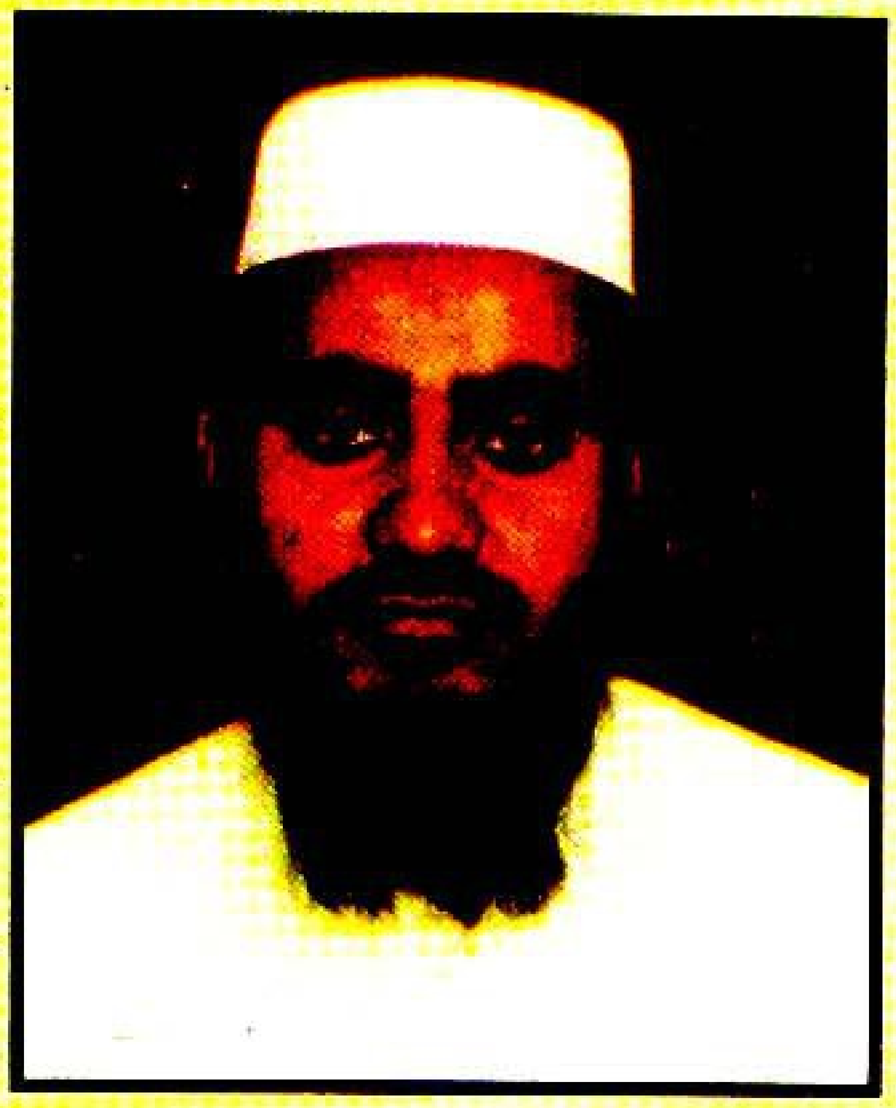

ہماری اجتماعی تہذیب اور اردو کی علمی و ادبی روایت کے سیاق میں انیسویں صدی کی ایک خاص حیثیت ہے، اسی صدی نے ایک عظیم الشان دور کے خاتمے اور ایک متذبذب، مشکوک اور نت نئے مسئلوں سے بوجھل دور کے آغاز کا تماشا دیکھا۔ انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ ایک نئی ذہنی بیداری، ایک نئے اسلوبِ زندگی کی تاریخ کا پہلا مرحلہ بھی سامنے لاتی ہے، اسے ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کہنا کس حد تک صحیح یا غلط ہوسکتا ہے؟ اس کی تفصیل میں جائے بغیر بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انیسویں صدی میں ثقافت، زبان و ادب، علوم، اقدار، مذہب، تعلیم اور تفلسف کے میدان میں کچھ غیر معمولی واقعات اور حالات کا بوجھ اٹھایا۔ جو نئے ادارے اس دور میں قائم ہوئے ان میں دلی کالج کے اپنے امتیازات ہیں۔ ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی نے دلی کالج اور اس کالج کے پس منظر میں انیسویں صدی کی ذہنی زندگی کا مطالعہ نہایت دلجمعی کے ساتھ کیا ہے، اس لحاظ سے ان کا یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھے جانے والے عام مقالوں سے مختلف بھی ہے اور بہتر بھی۔ انھوں نے ایک ساتھ بہت سی سیاسی، ثقافتی اور فکری جہتوں پر نظر ڈالی ہے اور بالعموم معروضیت سے کام لیا ہے، چنانچہ اس مقالے میں معلومات کے ساتھ ساتھ بصیرتوں کا اظہار بھی ہوا ہے، ان کا طرزِ تحریر شفاف اور سیدھا سادا ہے، انھوں نے تحقیق کے آداب کا بھی خیال رکھا ہے، اور حسب ضرورت استدلال سے بھی کام لیا ہے، مجھے امید ہے کہ علمی حلقوں میں ان کی اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

پروفیسر شمیم حنفی
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

SHAHID PUBLICATIONS
2253, DARYA GANJ, NEW DELHI-110002

Marfat.com